قیامت

ایک دلگداز ناول

رئیس احمد جعفری

مکتبۂ خاور ○ چوک مینار۔ انارکلی ○ لاہور

جملہ حقوق محفوظ

اشاعت اوّل ——— سنہ ۱۹۵۰ء
اشاعت دوم ——— ۱۹۵۶ء
قیمت : ———

ناشر : ——— ایم سلیم
طابع : ——— اشرف پریس۔ لاہور
تعداد : ——— ایک ہزار

فہرست

۱ ——— انقلاب !
۲ ——— عجیب تماشا !
۳ ——— ہائے اب کیا ہوگا ؟
۴ ——— دلجیت کور !
۵ ——— عائشہ !
۶ ——— ناٹک !
۷ ——— لڑائی !
۸ ——— بہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیداست !
۹ ——— پرانا قید خانہ
۱۰ ——— مولا !
۱۱ ——— الٹے پاؤں !
۱۲ ——— راستے ہیں !
۱۳ ——— ایسا بھی ہوتا ہے !
۱۴ ——— کانٹے !

۱۵ ——— اندھیرا اجالا !
۱۶ ——— وہ اندھیری رات !
۱۷ ——— نئی منزل !
۱۸ ——— کشمیر کا مجاہد !
۱۹ ——— اشک و تبسم !
۲۰ ——— اور بیچاری عفت ؟

شکوۂ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھکو!

rekhta

نہ جانا کہ جاتا ہے دنیا سے کوئی
بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

(حسرت)

قیامت کی باتیں

ہندوستان جب تقسیم ہوا تو پنجاب میں خون کا چشمہ دریا بہنے لگا اور اس سیل سبک سیر و زمیں گیر و بلا خیز نے مشرقی پنجاب کی ہزارہا مسلمان دوشیزاؤں اور عورتوں کو اسیر دام کر دیا۔ مغربی پنجاب میں بھی ہندو اور سکھ دوشیزاؤں اور عورتوں کی تعداد ہزارہا سے متجاوز ہے، جو اپنے وارثوں اور ہم مذہبوں سے بچھڑ گئیں۔

ہر مسلم لیگی اور کانگریسی، ہر پاکستانی اور ہندوستانی اس پر متفق ہے کہ صنف نازک کے ساتھ درندگی اور بہیمیت کا یہ سلوک نہ مذہب کے مطابق ہے نہ اخلاق و شرافت کے۔ بین المستعمراتی طور پر درجنوں کانفرنسیں بھی اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے منعقد ہوئیں لیکن ڈھاک کے وہی تین پات، بات جہاں تھی وہیں رہی۔

یہ مسئلہ بیان بازی اور الزام تراشی سے حل نہیں ہو سکتا۔ اس کے حل ہونے کی یہ صورت بھی نہیں ہے کہ ہم پہلے دوسرے کی طرف دیکھیں کہ وہ کیا کرتا ہے، پھر سوچیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ یہ مسئلہ بہت اہم ہے اور اگر یہ حل نہ ہوا تو ہرگز قدرت کا ہولناک انتقام معاف نہیں کرے گا۔

میرے خیال میں اس کے حل کی صرف یہ صورت ہے کہ ہم یہ نہ دیکھیں کہ دوسرے کیا کر رہے ہیں۔ یہ سوچیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ ہمارے مذہب کی تعلیم کیا ہے؟

ہماری قومی و ملی روایت کیا ہے؟ اس ناول کے مرد بزرگ اللہ دتا نے جو کچھ کیا وہی عین اسلام ہے۔ وہی ہماری قومی و ملی روایت ہے؟ صرف اسی طرح ہم اپنی ہزارہا عورتوں کو واپس لے سکتے ہیں۔ جو غیروں کی بہیمیت کا شکار ہو کر ہیں دل ہی دل میں ہر وعا دے رہی ہیں، اسی طرح سکھ اور ہندو عورتوں کی بازیابی کی بھی واحد صورت یہ ہے کہ وہ بھی اللہ دتا کے نقش قدم پر چلیں۔

اس ناول کو پڑھ کر اگر ایک آدمی بھی ایسا نکل آیا جس نے اس مسئلے حل کی طرف توجہ کی تو میں کہہ سکوں گا۔

للہ الحمد ٹھکانے لگی محنت میری!

رئیس احمد جعفری

کراچی

فروری ۱۹۵۰ء

(۱)

انقلاب

وہ ایک دولت مند گھرانے کی لڑکی ایک شریف شوہر کی رفیقہ حیات، ایک معصوم بچے کی ماں، ایک باوقار قوم کی فرد تھی، لیکن دیکھتے دیکھتے اس کی دنیا بدل گئی، اب وہ بھکارن تھی، پھوٹی کوڑی سے بھی محروم اب وہ ایک آبرو باختہ عورت تھی، جس کی عصمت لوٹی گئی، اور بار بار لوٹی گئی اور وہ کچھ نہ کر سکی، جس کا پیارا شوہر لاپتہ تھا، جس کا چہیتا بچہ ہمک ہمک کر، روتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا اور ظالم اسے سنگینوں سے کچوکے دے رہے تھے، اور بالآخر اس کا پیٹ پھاڑ ڈالا گیا، اس کے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے، اس کی ٹانگیں چیر دی گئیں، اور وہ یہ سب کچھ دیکھتی رہی، مگر کچھ نہ کر سکی، کل تک وہ عفت آرا بیگم تھی، اور آج یہ لوگ اسے، امرت کور کہہ رہے تھے۔ وہ مسلمان تھی لیکن اس کا مذہب

بدل دیا گیا تھا، وہ عصمت مآب تھی، لیکن اس کی عصمت لوٹ لی گئی تھی، وہ شوہر پرست بیوی تھی، لیکن آج اسے دو جنونیوں نے اور اجنبی شوہروں کی بیوی بننا پڑا تھا وہ ایک ننھے منے بچے کی ماں تھی، لیکن اس کی گود زبردستی خالی کر دی گئی تھی، وہ مالدار تھی، لیکن آج ایک پھٹی ہوئی ساڑی اس کی ستر پوشی کی ناکام کوشش کر رہی تھی، اس کے دستر خوان پر کئی کئی قسم کے کھانے ہوتے تھے لیکن کئی وقت گذر گئے مگر اس کے منہ تک کھیل بھی اڑ کر نہیں پہونچی۔

وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں قیدی بنی بیٹھی تھی، اور قسمت کے انقلاب پر غور کر رہی تھی، وہ سوچ رہی تھی یا اللہ یہ یک بیک کیا ہو گیا؟ وہ کونسا جرم تھا جس کی یہ ہولناک سزا مجھے ملی ہے؟ میری دولت پر کیوں ڈاکہ ڈالا گیا؟ میری عصمت کیوں لوٹ لی گئی؟ میرا چھوٹا سا بچہ بے دردی کے ساتھ کیوں قتل کر ڈالا گیا؟ اور میرا شوہر —— سہیل —— جو مجھے دیکھ دیکھ کر جیتا تھا کیوں مجھ سے بچھڑ گیا؟ کیا بیتے ہوئے دن پھر لوٹ سکیں گے؟ کیا محبت کا وہ زمانہ پھر واپس آجائے گا؟ لیکن ہائے میرا بچہ، اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، پہلے اس کی آنکھوں میں کبھی آنسو آجاتے، تو سہیل بیقرار ہو جاتا اور اسے ہنسائے بغیر چین نہ لیتا تھا، آج اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سمندر رواں تھا، لیکن کوئی دلدہی کرنے والا نہ تھا، ہاں مذاق اڑانے والے بہت تھے، ہنسنے والوں کی کمی نہ تھی۔

یا اللہ اب کیا ہوگا؟ —— عفت کے آنسوؤں کا دھارا رک گیا۔
اور وہ یہی سوچنے لگی، لیکن کسی بات کا سوچنا اور شے ہے، اس کا جواب ملنا دوسری شے، وہ سوچ رہی تھی، سوچے جا رہی تھی، لیکن جواب سے محروم تھی، لٹنے میں کسی

بچہ کے رونے کی آواز اس کے کان میں آئی، وہ بجلی کی طرح تڑپ کر اٹھی، اور اپنی کوٹھری سے باہر آگئی، سردار دلیپ سنگھ اپنی داڑھی اور کیس کے سنگار میں مصروف تھے، ان کی بیوی لسی تیار کر رہی تھیں، اور اسی بہن کا بچہ جو راولپنڈی میں اغوا کر لی گئی تھی۔ ایک چارپائی پر پڑا بیطرح دھاڑیں مار کر رو رہا تھا۔ عفت نے لپک کر اسے گود میں اٹھا لیا سینہ سے لگا لیا، اور بھینچ بھینچ کر پیار کرنے لگی۔ اس بچہ کی صورت اس کے مقتول بچہ انور سے کتنی ملتی جلتی تھی، اس کے رونے کی آواز اور انور کی آواز میں کتنی مشابہت تھی نہیں یہ بچہ جھندر نہیں انور ہے، انور، بالکل انور، عفت کی مادرانہ شفقت اور بڑھ گئی، وہ اسے مجنونانہ بیتابی کے ساتھ پیار کرنے لگی، سردار صاحب بدستور اپنے کام میں مشغول تھے، ان کی بیوی لسی بنا چکی تھیں۔ انھوں نے جو دیکھا، جھندر عفت کی گود میں ہے، چیل کی طرح جھپٹیں، اور گود سے بچے کو چھین کر اسے زور کا ایک دھکا دیا۔ وہ گرتے گرتے بچی، اس کے کان میں آواز آئی "چڑیل" ——

وہ سنبھلی، اس نے بے بسی کے ساتھ سردارنی صاحبہ پر ایک نظر ڈالی، لیکن وہ بچہ کو چمکارتی ہوئی جا چکی تھیں اور سردار صاحب مسکرا رہے تھے، اس مسکراہٹ میں ہمدردی نہیں تھی، ترس بھی نہیں تھا، انسانیت بھی نہیں تھی، شرارت تھی شیطنت تھی، ہوس تھی، وہ اس تبسم کی تاب نہ لا سکی، جلدی سے اپنی کوٹھری میں بھاگ گئی سردار جی کے ایک خوفناک قہقہہ نے اس کا تعاقب کیا لیکن اس نے سنی ان سنی کر دی، مگر یہ کیا، جھندر نہیں میرا انور ابتک رو رہا ہے؟ کیوں نہ روئے، ماں کی گود سے ڈائن کی گود میں چلا گیا ہے نا، نہیں میں اسے نہیں رونے دونگی۔ وہ پھر سردارنی صاحبہ کی طرف جھپٹی، اور جھندر کو چھیننے کی کوشش کی، سردارنی جی بھی جھندر

کے مسلسل رونے سے اتنی بیزار ہو چکی تھیں، اور اطمینان سے شوہر کے ساتھ بیٹھ کر لسی پینے کی اتنی مشتاق تھیں کہ اس دفعہ فوراً ہی مداخلت نہیں کی، عفت مندر کو پھول کی طرح اٹھا کر اپنی گود میں لے آئی۔ اسے لوریاں دے دے کر بہلانے لگی، وہ اسے کلیجے سے لگائے ہوئے ٹہل رہی تھی، کچھ عجیب بات تھی، عفت کی گود میں آتے ہی مندر چپ ہو گیا۔ پھر مسکرایا اور کلکاریاں مارنے لگا۔ اور عفت کو ایسا معلوم ہوا جیسے بہت بڑی نعمت مل گئی، جیسے سارے غم فراموش ہو گئے، اور زندہ ہو گیا تھا، اور اس کی گود میں تڑپتی ہوئی موج کی طرح مچل رہا تھا۔

(۲)

عجیب تماشا

عفت، جب سے سردار جی کے گھر میں آئی تھی، ایک مشین کی طرح چل رہی تھی چلائی جا رہی تھی، رات کو وہ بکری کی طرح، محلہ کی بڑی مسجد میں ہنکا دی جاتی۔ نماز پڑھنے اور خدا کو یاد کرنے کے لئے نہیں، تختۂ مشق بننے۔ اور آبرو گنوانے کے لئے۔ یہاں بہت سے سردار، اور لالہ جمع ہو جاتے، شراب پیتے، قہقہے لگاتے، گرما گرم چٹ پٹے کباب کھاتے، اور وہ بیچاری اس گوشت سے اس گوشت میں منتقل ہوتی رہتی یہ لوگ پہلوانوں کی طرح اس سے کشتی لڑتے، درندوں کی طرح اس پر جھپٹتے۔ اور اسے لہولہان کر دیتے، اس کی بوٹیاں لیتے، پیار کرتے، نفرت اور حقارت کے ساتھ اسے تختۂ مشق بناتے، اور وہ بے زبان گائے کی طرح سب ظلم سہتی، مگر اُف

نہ کرتی، وہ رونا بھول چکی تھی، اور ہنسی اس سے چھین لی گئی تھی۔ درد اور تکلیف سے اسکی
آنکھوں میں آنسو بھر آتے۔ لیکن وہ پی جاتی۔ اس کے آنسوؤں کو دیکھنے والا کوئی نہ تھا،
اس کے روپ کو گھورنے والے بہت تھے۔ ساری رات انہی رنگ رلیوں میں بسر ہو جاتی
اور صبح ہوتے ہی سردار صاحب اسے پھر ہانک کر اپنے گھر لے آتے یہاں ہندرا سے دیکھ کر
مسکرانے لگتا، وہ بھی اسے دیکھکر مسکرا دیتی، پھر جھپٹ کر اسے گود میں اٹھا لیتی۔ ایسا معلوم
ہوتا، دونوں کو کوئی کھوئی ہوئی چیز مل گئی ہے۔ رات کو اسے جو زخم لگتے صبح ہوتے ہی ہندرا
ان کا مرہم بن جاتا۔ اور یہ مرہم پاکر زخم ابھی بھرنے نہ پاتے کہ رات آجاتی، اور زخم پھر
ہرے ہو جاتے۔ یہ ایک ایسا چکر تھا کہ جو کئی مہینے سے برابر چل رہا تھا۔ اور جس کے ٹوٹنے
کی بظاہر کوئی امید نہ تھی، کبھی وقت مل جاتا۔ تو وہ سوچنے لگتی آزادی کی دیوی، ساوتنوں
مجاہدوں، شہیدوں، اور بہادروں کا خون مانگتی ہے۔ لیکن اس دیس میں جو آزادی کی
دیوی آئی ہے۔ اسے شہیدوں اور ساوتنوں کے خون سے دلچسپی نہیں، وہ صرف کنواریوں،
سہاگنوں اور بے گناہ دیویوں کا خون مانگ رہی ہے اسے تڑپتے ہوئے بچوں، اور بے
بس بوڑھوں کا خون چاہیئے۔ وہ یہ بھی سوچا کرتی تھی، گاندھی جی، اور جواہر لال آزادی
سے پہلے کہا کرتے تھے۔ ہم اپنے دیس کا انتظام سنبھالیں گے۔ تو شیر بکری ایک گھاٹ
پانی پئیں گے۔ یہ جو نفسا نفسی اور سر پھٹول کے تماشے نظر آتے ہیں، یہ سب انگریزوں
کی شرارت ہے۔ لیکن انگریز تو جا چکے، پھر یہ کیا ہو رہا ہے؟ اور اب تو جو کچھ ہو رہا ہے
بالکل نیا ہو رہا ہے۔ یعنی ہندو عورت اور مسلمان عورت، اور سکھ عورت کو محض اس
جرم میں بے آبرو کیا جا رہا ہے کہ وہ مسلمان کیوں ہے؟ یہ ہندو کیوں ہے؟ اور وہ سکھ
کے گھر میں کیوں پیدا ہوئی؟ یہ بھی سوچتی، جے پرکاش نرائن اور [illegible] کرتے تھے

آزاد ہندوستان کی بنیاد فرقہ پرستی پر نہیں ہوگی۔ طبقاتی تقسیم پر ہوگی۔ ہم کسانوں، اور مزدوروں
کی سیوا کریں گے۔ کسان کو فائدہ پہونچے گا۔ تو ہندو کسان، اور مسلمان، برابر فائدہ اٹھائیں
گے لیکن مشرقی پنجاب کے مسلمان کسانوں کو، ہندو اور سکھ کسان، مغربی پنجاب کے ہندو
اور سکھ کسانوں کو مسلمان کسان کیوں کھدیڑ رہے ہیں؟ اور مزدور؟ یہ بھی تو کہا جاتا تھا کہ،
مزدور کو جو ترقی ملے گی، وہ مسلم مزدور، اور ہندو مزدور کے لئے یکساں ہوگی۔ لیکن
دلی میں خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور بمبئی میں میرے بھیا دیکھکر آئے کہ ہندو
مزدور، مسلمان مزدوروں کے چھرا گھونپتے ہیں، پھر اسٹرائک کر دیتے ہیں کہ جب تک ان
مسلموں کو مل سے نہیں نکالا جائے گا، ہم کام نہیں کریں گے؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا یہ سب
لیڈر دھوکے باز ہیں؟ جو ان کے دل میں ہے وہ زبان پر نہیں، اور جو زبان پر ہے وہ دل
میں نہیں؟ ایسے لوگ کیا اپنے دیس کی آزادی قائم رکھ سکیں گے؟ لیکن میں آزادی
کا خواب کیوں دیکھ رہی ہوں؟ میں خود ایک غلام ہوں ——— باندی کنیز،
مسلمانوں پر جو تاریخی "الزامات لگائے گئے ہیں۔ ان میں ایک یہ بھی تو ہے کہ وہ لونڈیاں رکھا
کرتے تھے، اور یہ لونڈیاں وہ ہوتی تھیں جو ہارے ہوئے دشمن اور شکست خوردہ قوم
کی معزز بیبیاں اور شریف عورتیں ہوتی تھیں، بیشک یہ باندیاں بنالی جاتی تھیں۔ لیکن ان
کے ساتھ عزت کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ سپہ سالار اور بادشاہ، اور سپاہی، ان سے شادیاں
کر لیتے تھے، خود مسلمانوں کے نبیؐ اور نبیؐ کے نواسوں نے باندیوں سے شادیاں کیں۔ لیکن آج
جو نئی تاریخ بن رہی ہے اس میں مجھ جیسی کنیزوں اور باندیوں کا کیا حال ہے؟ ہمیں بیوی کوئی
نہیں بنا سکتا۔ ہمارے ساتھ بدکاری کی جا سکتی ہے، ہمیں حرام کاری کا اڈا بنایا جا سکتا
ہے۔ جہاں شراب پی پی کر بڑی بڑی چوٹی اور بڑی بڑی داڑھی والے سردار، اور لالہ آ کر

ہماری آبرو نوچتے ہیں، ہمیں جلاتے ہیں، ہمیں ایک ایک رات میں کئی کئی بار بہت سے گروہوں سے واسطہ پڑتا ہے، اور یہ گروہ باری باری ہمارا جوبن لوٹتے ہیں، ہمیں ننگا ناچنے پر مجبور کرتے ہیں، ہمیں ننگا کرکے، اپنی ہوس پوری کرتے ہیں۔ اور قہقہے لگاتے ہوئے سویرا ہوتے ہوتے اپنے گھر پہونچ کر لمبی تان کر سو جاتے ہیں۔ اور ہم کراہتے ہیں جلتے ہیں روتے ہیں، مرتے ہیں، ہمیں خراب کھانا ملتا ہے، ہمارا لباس عریانی ہے، کیا تاریخ نے ایسی باندیاں بھی کبھی دیکھی ہیں؟ کیا یہ نئی تاریخ، انسانوں کے بجائے درندوں کی اور جانوروں کی تاریخ ہوگی، مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے، نہ کوئی ہندو ہے، نہ مسلمان نہ سکھ، یہ سب جانور ہیں، بڑے ہولناک اور خونخوار درندے،

سردارنی کھانا پکا رہی تھی، ننھا جیندر پھر رو دیا، عفت بھلا انور کو روتا کیسے دیکھ سکتی تھی؟ دوڑی ہوئی گئی، اور جیندر کو گود میں لے لیا، سردار جی ابھی ابھی نہا دھو کر کمرے میں آئے تھے، اور ریڈیو پر ماسٹر تارا سنگھ کی تقریر سن رہے تھے، انھوں نے عفت کو دیکھ کر پوچھا!

"کیا ہے ری"؟

"کچھ بھی نہیں"

"پھر کیوں آئی ہے یہاں؟"

عفت نے اپنی گود کی طرف اشارہ کیا، جہاں جیندر اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا، اور کہا،

"یہ جیندر رو رہا تھا!"

سردار صاحب مسکراتے اٹھے، اور عفت کے قریب آ گئے۔

"کہاں لے جا رہی ہے اسے"؟

"اپنی کوٹھڑی میں! وہاں بہلاؤں گی"

سینے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"اور ہمیں؟ کبھی اپنی خوشی سے ہمیں بھی بہلایا کرو"؟

وہ سوکھی ہوئی زبان ہونٹوں پر پھیرتی ہوئی بولی

"ہر روز رات کو میرا سب کچھ لوٹ لیتے ہو، پھر بھی جی نہیں بہلتا سردار جی"

"ابھی رات کی بات چھوڑ دو!"

"پھر؟"

"اس وقت کی بات کرو! ——— ہمارا جی گھبرا رہا ہے ——— اچھا تو چل اپنی کوٹھڑی میں، میں ابھی آیا!"

عفت کے پاؤں من من بھر کے ہو گئے، اس کا جی چاہا جیندر کو اٹھا کر پختہ فرش پر پھینک دے، اور خود بھی اپنا سر پھوڑ لے، لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی، انور کے لئے وہ سب کچھ برداشت کر سکتی تھی، انور کے لئے وہ سب کچھ برداشت کر سکتی تھی بے عزتی بھی، بے آبروئی بھی، یہ جیندر نہیں انور ہے، اسے کیسے پختہ فرش پر پھینک دوں، یہ بھی کیسا بُرا خیال آگیا تھا میرے دل میں! اس کی نظر پھر سردار صاحب کی نظر سے ملی، وہ ذرا خفا ہو کر بولے،

"سوچ کیا رہی ہے؟"

"کچھ بھی تو نہیں"

"پھر یہاں کیا کر رہی ہے؟ چل!"

عفت آہستہ آہستہ مسکراتے ہوئے ہندر کو گود میں لئے، اپنی کوٹھری میں پہونچی، ساتھ ساتھ سردار صاحب بھی وارد ہوئے۔ انھوں نے کوٹھری کا دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ عفت کا چہرہ دہشت کے سبب سفید پڑ گیا، لیکن وہ بے بس اور مجبور تھی، پھر بھی اس نے کہا۔

"یہ جو رونے لگے گا!"

بگڑ کر بولے،

"ارے چل، بڑی آئی یہ جو رونے لگے گا، یہ ہمارا ہے یا تیرا؟"

پھر انھوں نے جیب سے چند چاکلیٹ نکالے اور ہندر کے ہاتھ میں دے دیئے وہ بہل گیا، اس کی من بھاتی چیز اسے مل گئی، پھر اسے گود سے اتار کے انھوں نے فرش پر بٹھا دیا، وہ کھیلنے لگا، عفت چپ چاپ کھڑی ہوئی تھی، پھر انھوں نے عفت کو اپنی طرف کھینچا، وہ بچے ہوئے پھل کی طرح ان کی گود میں آگری، اور وہ بڑے اطمینان سے اپنے مضبوط اور کھردرے ہاتھوں سے اس کے پھٹے ہوئے پہلے کپڑے اتارنے لگے، جس طرح قصائی گائے یا بکری کی کھال اتارتا ہے۔ مزہ جسم کسی کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔

سردار صاحب مصروف تھے، اور ننھا ہندر اس عجیب و غریب تماشے کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا،

---

(۳)

ہائے اب کیا ہوگا؟

عفت بیتے ہوئے دنوں کو یاد کر رہی تھی، اور آٹھ آٹھ آنسو رو رہی تھی کہ سردار صاحب کو اس نے گھر میں داخل ہوتے دیکھا۔ آج وہ بہت خوش تھے، باچھیں کھلی جا رہی تھیں، ان کے ساتھ اور بھی کئی آدمی تھے، بڑے خوش اور مسرور، سب سامنے صحن میں آکر بیٹھ گئے، عفت کی کوٹھری کے بالکل سامنے! سردانی صاحبہ بھی ان لوگوں میں گھلی ملی بیٹھیں تھیں اور بحث و گفتگو کو بڑی دلچسپی سے مسکرا مسکرا کر سن رہی تھیں عفت نے ادھر توجہ کی تو سنا۔ سردار جی، اپنی لمبی ترنگی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہہ رہے تھے،

"آج مزہ آئے گا یارو!"

دوسرا بولا،

"یار تمہیں تو آچکا مزہ، اتی اچھی چھوری پر قبضہ جما چکے ہو۔ ہم ابھی تک یوں ہی ٹنڈمنڈے بیٹھے ہیں۔ اپن کے حصہ میں بھی کوئی آجائے۔ ایسی پری جیب کی بات ہے ہاں!"

سردار صاحب کی آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے۔ انھوں نے چنگھاڑتے ہوئے کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو پرتاب؟ مجھے مزہ آچکا؟ تم جانتے ہو میری بہن دلجیت اس چھوری سے بھی زیادہ خوبصورت تھی۔ اس کے بانکپن کو دیکھ کر بڑے بڑے لوگ سر جھکاتے تھے۔ لیکن اسے مسلمان غنڈوں نے چھین لیا۔ اس کی بے آبروئی کی۔ اس کا جوبن لوٹ لیا۔ اس کی جوانی چھین لی۔ اس کی عزت برباد کر دی وہ پھول تھی لیکن اسے مسل دیا۔ وہ کلی تھی، لیکن اسے کچل دیا۔ وہ کنول تھی، لیکن اس کی کومل پتیاں نوچ ڈالیں۔ دلجیت اب تک انہی کے قبضہ میں ہے۔ نہ جانے زندہ بھی ہے یا مر گئی۔ نہ جانے اس کا کیا حال ہو رہا ہے؟ کس طرح وہ زندگی گذار رہی ہے؟ میں بھوکا ہوں، مسلمان دوشیزاؤں کو کھاؤں گا۔ میں پیاسا ہوں، مسلمان عورتوں کو شراب کی طرح پیوں گا۔ میں تھکا ہوا ہوں، صرف مسلمان عورتیں ہی میری ماندگی دور کر سکتی ہیں۔ ایک اس چھوکری سے کیا ہوتا ہے۔ ایسی ایسی ہزاروں چھوریاں مجھے چاہئیں، میں ان کے کپڑے پھاڑوں گا، انھیں ننگا ناچ نچاؤں گا، ان کا جوبن لوٹوں گا۔ ان کی آبرو چھینوں گا۔ وہ روئیں گی میں ہنسوں گا، وہ تڑپیں گی مجھے لطف آئے گا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو برسیں گے۔ میرے منہ سے قہقہے ابلیں ——

چلو تیار ہو جاؤ!

بس اب ریل آیا ہی چاہتی ہے۔ جتنی کومل کلیوں کو نازک پھولوں کو چھین سکتے ہو چھین لو۔ رحم کو دل سے نکال پھینکو، یہ ہمارا فرض ہے۔ مقدس فرض۔ ٹھہرو میں ابھی کپڑے بدل کر آیا!"

سردار صاحب کی آواز عفت کے کانوں میں پہنچ رہی تھی اور مارے دہشت کے اس کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اتنے میں شیر پہنے ہوئے سردار صاحب، اس کی کوٹھری میں پہونچے، کپڑے بدلنے کے لئے کپڑے اتارے، اپنے ساتھ عفت کے بھی! پھر اسے روئی کی طرح نوچ ڈالا؟

جیسے رن پر جاتے ہوئے کوئی سپاہی شراب کا ایک جام پی لیتا ہے، اس طرح سردار صاحب مسلمان قافلہ پر حملہ کرنے، اور مسلمان عورتوں کا اغوا کرنے کے لئے جانے سے پہلے، ایک مرتبہ عفت سے بھڑ گئے اور نشہ سے سرشار ہو کر باہر پہونچے، انھوں نے آواز دی۔

"آؤ ساتھیو"

سب نے ایک ساتھ کہا

"چلو"

اور سب اپنی کرپانیں اور لاٹھیاں، بلّم اور بندوقیں سنبھال کر چل کھڑے ہوئے

آج سردارنی صاحبہ بھی بہت خوش تھیں۔ رات کا بچا ہوا کھانا کچھ انھوں نے گھر کے پرانے کتے کے سامنے ڈال دیا، اور باقی ایک تھال میں لا کر عفت کے سامنے رکھ دیا وہ اس کھانے کی عادی ہو چکی تھی، اور روز کھایا کرتی تھی۔ لیکن آج اسکا کھانے کو جی نہیں چاہا، یہ کھانا اسے زہر معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے آہستگی سے تھال ایک طرف

سرکا دیا، اور ویسی کی ویسی بیٹھی رہی، سردارنی جی کو غصہ آ گیا،

"کھاتی کیوں نہیں؟"

"کھا لوں گی"

"اب، تیرے لئے برتن سترا کریں؟"

"مجھی کو تو دھونا ہے، دھو کر رکھ دوں گی!"

سردارنی صاحبہ مسکرائیں، گفتگو کا مفہوم بدل دیا،

"آج پھر آئے گا مزہ!"

عفت چپ رہی، سردارنی نے کہا،

"آج بہت سی مسلمان عورتیں پکڑی آئیں گی اس گھر میں، ہم سب ان کا ناچ دیکھیں گے، کیسا کیسا ناچتی ہیں۔ یہ حرامزادیاں، ننگا ناچ ناچتی ہوئی! کوئی چھاتی بچائے گی، کوئی ازار بند زور سے پکڑے گی، کوئی پیٹی کوٹ کو مٹھیوں سے جکڑے گی، لیکن یہ سب ادائیں دھری رہ جاتی ہیں ناچنا ہی پڑتا ہے، حرامزادیوں کو، اور پھر لـــــ!"

کچھ دیر سردارنی صاحبہ چپ رہیں، پھر دانتوں تلے انگلی داب کر بولیں!

"پھر بتاؤں کیا ہوتا ہے؟"

عفت نے کہا،

"جانتی ہوں"

"کیا جانتی ہو بتاؤ؟"

"وہی جو میرے ساتھ ہوا، ہوتا رہتا ہے"

"ہاں!"

اور سردارنی صاحبہ پھر ہنسنے لگیں۔ ہنستے ہنستے طعن کی کٹار انھوں نے عفت کے سینے پر ماری،

"بڑا رنج ہو رہا ہے؟"

وہ بولی،

"رنج کاہے کا"

"اپنی آنے والی بہنوں کا، انکی درگت کا!"

عفت نے کچھ جواب نہ دیا، سردارنی صاحبہ نے اسے خاموش دیکھ کر تقاضہ کیا،

"بولو، بتاؤ؟"

عفت نے کہا،

"پہلے ہوتا تھا اب نہیں ہوتا!"

"یہ کیوں بھلا؟"

"اب عادی جو ہو گئی ہوں، جب اپنا دکھ نہیں ہوتا تو دوسروں کا غم کیوں اٹھاؤں گی؟"

سردارنی نے پوچھا،

"گھر تو بہت یاد آتا ہوگا؟"

"بالکل نہیں!"

بڑا تعجب ہوا سردارنی صاحبہ کو اس جواب پر، وہ حیرت سے عفت کو دیکھنے لگیں، پھر کولہے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا،

"بالکل نہیں یاد آتا گھر؟"

"جی نہیں!"

"ایسا اندھیر"

"بات یہ ہے بہن، جو چیز مل نہیں سکتی، اس کی تمنا کیوں؟ یاد کس لئے؟"

مرداری نے پوچھا،

"تمہارا شوہر کا کیا ہوا؟"

"کیا معلوم، کچھ پتہ نہیں!"

"کوئی بچہ تھا؟"

"ہاں ایک!"

"اور وہ؟"

"اسے سکھوں نے ذبح کر دیا، بوٹی بوٹی کر دیا، تکے بوٹی اڑا دیے، لیکن خدا کی قدرت ——"

"ہاں کیا کہہ رہی تھیں؟"

"خدا کی قدرت!"

"یعنی؟"

"وہ پھر زندہ ہو گیا، پھر مجھے مل گیا!"

"پھر زندہ ہو گیا؟ پھر مل گیا؟"

"ہاں!"

"لیکن میں نے تو نہیں دیکھا اسے؟"

"دیکھو گی؟ دکھاؤں؟"

وہ بولیں،

"ہاں ہاں، ضرور! دیکھیں گے، دکھاؤ!"

عفت کوٹھری سے باہر نکلی، اور ہندہ کو گود میں لئے ہوئے واپس آگئی۔

"یہ رہا، میرا انور!"

پھر اس نے ہندہ کو کلیجے سے لگالیا، اور دیوانوں کی طرح پیار کرنے لگی۔ مرداری کا دل پسیج گیا، اس منظر کی وہ تاب نہ لاسکیں، انکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور چپکے سے کوٹھری سے نکل چلی گئیں!

ہندہ عفت کی گود میں کھیلنے لگا، عفت اسے بہلانے لگی کتے کا ابھی پیٹ نہیں بھرا تھا، تھال میں کھانا دیکھ کر وہ دم ہلاتا ہوا بے تکلفی سے کوٹھری میں چلا آیا۔ عفت نے سارا کھانا اسے دے دیا، وہ دم ہلا ہلا کر بڑے شوق سے صفا چٹ کر گیا، اور شکم سیر ہو کر ممنون نگاہوں سے عفت کو دیکھنے لگا، عفت کتے کو غور سے دیکھنے لگی وہ سوچ رہی تھی، ہم نام نہاد آدمیوں سے یہ کتا کتنا اچھا ہے، ذرا سا کھانا پاکر یہ کتنی ممنون نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ اس سے کوئی پرانا ناتا نہیں، لیکن ہم آدمی ——؟

ہم انسان ——؟

ہم پشتہا پشت سے، ایک دوسرے کے دوست تھے ایک دوسرے کے دکھ درد کے ساتھی تھے، لیکن آج ہماری کیا حالت؟ ہم ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں ایک دوسرے کو ذبح کر رہے ہیں۔ ہماری عورتیں مردوں کو پٹرول دیتی ہیں کہ پڑوسی

rekhta

کو مع اس کے بال بچوں کے جلا دو۔ مرد اپنی پڑوسی عورتوں کو ان پڑوسی عورتوں کو جنھیں وہ کل تک، بہن، بیٹی، ماں کہتے تھے، بُری نگاہوں سے گھورتے ہیں انھیں قید کر لیتے ہیں۔ ان کے کپڑے اتار کر انھیں ننگا کر دیتے ہیں۔ پھر شرابیں پی پی کر ان پر پل پڑتے ہیں ہم انسانوں سے یہ کتا کتنا اچھا ہے کتنا پیارا ہے ہندر کے بعد اس گھر میں اگر اسے کسی پر پیار آیا تو وہ یہ کتا تھا۔ وہ کل تک اسے نجس سمجھتی تھی۔ اس سے دور رہتی تھی لیکن آج وہ بڑھی اور مادرانہ شفقت کے ساتھ اس پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ اس کی دم کی رفتار اور تیز ہو گئی، تیز تر ہوتی گئی۔ عفت کو ایسا معلوم ہوا یہ کتے کی کھال نہیں ریشم اور کمخواب ہے جس پر وہ ہاتھ پھیر رہی ہے

ہندر رقیبانہ نظروں سے عفت کا یہ انہماک اور التفات کتے کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ آخر بچہ تقاضات دل اور کہاں ضبط کر سکا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اسے بہت برا لگ رہا تھا، عفت اس کے بجائے کتے کو کیوں پیار کر رہی ہے۔ عفت سمجھ گئی، کتے کو چھوڑ کر مسکراتی ہوئی آئی اور ہندر کو گود میں لے کر کھیلنے لگی۔ کتا دم ہلاتا ہوا کوٹھری سے باہر چلا گیا۔ اب پھر ہندر تھا اور عفت! وہی ایک دوسرے کے پرانے یار اور غمخوار، رفیق اور دمساز!

تھوڑی دیر کے بعد ہندر سو گیا، عفت نے ایک مرتبہ پھر اسے بھینچ کر پیار کیا۔ اور چپکے سے جا کر اس کے بستر پر لٹا آئی، پھر کوٹھری میں آ کر برتن دھونے لگی، برتن دھو کر وہ انھیں کپڑے سے پونچھ رہی تھی کہ دروازہ پر کچھ شور سا سنائی دیا۔ شور قریب تر ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ گھر میں داخل ہو گیا۔ سردار لیب سنگھ ایک فوج کی طرح آگے آگے تھے۔ پیچھے ۴۰، ۵۰ عورتوں کا غول

تھا۔ اور ادھر ادھر سردار صاحب کے مسلح ساتھی۔ جن کی کرپانوں اور بلموں سے تازہ خون اب تک ٹپک رہا تھا، عورتوں کے اس غول میں عورتیں کم تھیں لڑکیاں زیادہ ۱۸، ۱۸، ۲۰، ۲۰، ۲۲، ۲۲ سال کی خوبصورت اور خوش اندام!—

ان کے ہونٹوں پر پپڑی جمی ہوئی تھی، رنگ دہشت کے سبب سفید ہو رہا تھا کھینچا تانی میں کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ گئے تھے۔ بال بکھرے ہوئے تھے، زیور چھینا جا چکا تھا۔ لیکن زیور عصمت ابھی تک باقی تھا، ان میں سے بعض کے آنسو رو رو کے خشک ہو چکے تھے۔ بعض کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر لہریں مار رہا تھا۔ یہ شریف زادیاں تھیں پردے والیاں تھیں، کبھی چشم فلک نے بھی انھیں بے حجاب نہ دیکھا تھا۔ کبھی گھر سے باہر نکلنے اور پاپیادہ چلنے کی نوبت نہ آئی تھی لیکن آج یہ اپنے عزیزوں سے چھین لی گئیں تھیں، اور بھیڑ بکری کے گلے کی طرح ہنکائی ہوئی اس نئے گھر میں لائی گئی تھیں، بکری جب قصائی کی چمکتی چھری دیکھ لیتی ہے تو اس کا خون خشک ہو جاتا ہے یہ بھی بکریاں تھیں! بے زبان اور خاموش! ان کے سامنے چھریاں چمک رہی تھیں۔ ان کی گردن کاٹنے کے لئے نہیں، ان کی عصمت اور آبرو کی گردن کاٹنے کے لئے ان کا بھی خون خشک ہو چکا تھا۔ ان میں اور بکری میں صرف ایک فرق تھا، وہ ناسمجھ ہوتی ہے یہ سمجھدار تھیں وہ نہیں جانتی مستقبل کے پردے میں کیا ہے؟ اور انھیں مستقبل آئینہ دکھا رہا تھا۔ انھیں معلوم تھا، کیا ہونے والا ہے کیا ہو کر رہے گا۔ کس طرح ان کی عصمت لوٹی جائے گی، کس طرح ان سے ننگا ناچ نچایا جائے گا کس طرح ایک ایک کے حصہ میں کئی کئی پیل تن، اور تنومند اور کڑیل جوان آئیں گے، پھر کس کس طرح ان میں سے بعض کو خواہش نفسانی کی پیاس بجھانے کے بعد قتل کر دیا جائے گا، بعض کے پستان

تراشی نہ جائیں گے، بعض کی ناک کاٹ ڈالی جائے گی، بعض کے کان اور بعض کو رنڈیوں کے ہاتھ، بچوں کو دلالوں کے ہاتھ، کسی کو تماش بینوں، اور عیاشوں کے ہاتھ بیچ ڈالا جائے گا۔ کس کس طرح انھیں ایک شہر سے دوسرے شہر میں، ایک کوٹھے سے دوسرے کوٹھے پر ایک گھر سے دوسرے گھر میں پہونچا جائے گا۔ کس طرح ان کا روپ بگاڑا جائے گا ان کی جوانی سے کھیلا جائے گا۔ انھیں شرمناک بیماریوں میں مبتلا کیا جائے گا۔ آخر کو یہ سب شریف لڑکیاں تھیں، پڑھی لکھی، اخبار بین، آج سے پہلے یہ برابر اخبار دیکھا کرتی تھیں اور ہندو مسلمان اور سکھ "قوم پرست!" ایک دوسرے کی عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ جو سلوک کیا کرتے تھے اور وہ سب یہ پڑھا کرتی تھیں، سنا کرتی تھیں ان بیچاریوں کے پاؤں کانپ رہے تھے۔ بدن کانپ رہے تھے، دل کانپ رہے تھے۔ سب کو یہی فکر تھی اب کیا ہوگا! ہائے اب کیا ہوگا؟

صحن میں چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں، سردار صاحب اور ان کے ساتھی، انھیں ان سے ہتھیار اتار کر بیٹھ گئے اور ان لڑکیوں اور عورتوں کو گھورنے لگے، ہر شخص اپنا حصّہ ان سے طے کر لینا چاہتا تھا، سردارنی صاحبہ پاس بیٹھی تھیں، انھوں نے ایک نظر اس تباہ حال قافلہ پر ڈالی۔ اور سردار جی سے پوچھا۔

"کیا ہوا"؟

وہ کڑک کر بولے،

"ٹھیک ہوا!"

وہ بولیں

"کیسے لائے؟"

ہنس کر بولے،

"جیسے پرتھوی راج، سنجوگتا کو لایا تھا!"

سب ہنسنے لگے،

سردارنی کا شوق تجسّس کم نہ ہوا۔ انھوں نے پھر پوچھا،

"پورا حال تو سناؤ!"

سردار جی نے کہا۔

"حال کیا ہے؟ گاڑی آئی، اور بھی بہت سے لوگ پہلے سے تیار ہو کر پہونچ گئے تھے روک لیا سالی کو، مردوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بچوں کو قتل کر دیا، سن رسیدہ عورتوں کو اپاہج کر کے وہیں چھوڑ دیا، سارا مال اسباب لوٹ لیا۔ عورتوں پر کچھ جھگڑا ہوا۔ پھر فیصلہ ہوگیا (اشارہ کر کے) یہ ہمارے حصّہ میں آئیں باقی دوسرے لوگ لے گئے ــــــــ لیکن ہمارا مال دوسروں سے اچھا رہا، ان کے حصّہ میں ایسی پریاں نہیں آئیں جیسی ہمارے حصّہ میں ــــــــ"

سردارنی ان باتوں سے اکتا گئیں، انھوں نے ذرا خفا ہو کر پوچھا،

"اور مال اسباب؟"

"ہاں ہاں"

"ہاں ہاں کیا؟ کہاں ہے؟ خالی عورتوں سے گھر بھرتے رہو گے، سونا چاندی کپڑے لتے، گہنے پاتے دوسروں ہی کے حصّہ میں آئیں گے؟"

وہ مستانہ وار سرخوشی کے عالم میں جھومتے ہوئے بولے۔

"ارے فکر کیوں کرتی ہو؟"

"پھر کیا کروں ؟"

"مال اسباب بھی آرہا ہے"

"تو کب آئے گا ؟"

بس پہونچا ہی چاہتا ہے۔ چھکڑا بھر سامان آرہا ہے، سمجھیں ؟"

"وہ مسکرا کر بولیں"

"آئے تب جانوں"

اتنے میں واقعی چھکڑا آگیا، اور سامان اترنے لگا، کیا کیا زیور تھے آنکھیں چکاچوند ہوئی جارہی تھیں، کیا کیا کپڑے تھے کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ کیا کیا سامان تھا کہ خواہ مخواہ طبیعت للچا جائے، سردارنی نے یہ چیزیں دیکھیں اور خوشی سے دیوانی ہوگئیں کہنے لگیں۔

"تو اب دیکھئے کیا ہو سب کا حصہ الگ الگ کردو !"

سردار صاحب اپنے ساتھیوں کے بھی سردار تھے، سارا مال ان کے سامنے لاکر ڈھیر کردیا اور وہ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کرنے لگے۔ سب ہی مالا مال ہوگئے پھر ان لوگرفتار دوشیزاؤں، ان عورتوں کی باری آئی، چھانٹ کر صرف ۱۲ نوخیز لڑکیاں سردار صاحب نے اپنے لئے رکھ لیں۔ باقی سب بڑی دریا دلی سے ساتھیوں کے حوالے کردیں اور سردارنی سے کہا۔

"انھیں سامنے والی کوٹھری میں پہونچا آؤ، پھر ان کا فیصلہ ہوگا"

یہ کوٹھری عفت کی کوٹھری کے بالکل سامنے تھی، دونوں کوٹھریوں کے بیچ میں ایک دروازہ تھا، جس سے ایک سے دوسری کوٹھری میں آمد و رفت ممکن تھی، سردارنی اس

قافلہ کو لیکر عفت کی کوٹھری میں آئیں اور ملائم لہجہ میں بولیں،

"پاس والی کوٹھری صاف کردے، یہ سب یہیں رہینگی"

عفت نے ایک نظر، اپنی ہم قوم بہنوں پر ڈالی، اور سر جھکا کر کہا،

"اچھا"

وہ چلی گئیں، اور یہ اپنے کام میں لگ گئی !

(۴)

دلجیت کور

سردار دلیپ سنگھ، راولپنڈی میں تجارت کرتے تھے ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے، خرچ کم اور کنبہ مختصر!

ایک خود، دوسری بیوی، اور تیسری چھوٹی بہن دلجیت کور، چوتھا راجندر سنگھ، جو سالا بھی تھا، اور بہنوئی بھی یعنی دلجیت کور کا شوہر! راجندر اور دلجیت کور میں بڑی محبت تھی، دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے، شادی کے سال بھر بعد، ایک ہنستا کھیلتا ننھا منا بچہ پیدا ہوا، جتندر ــــــ ماں کی آنکھ کا تارا، باپ کے جگر کا ٹکڑا، ماموں کا دلارا، ممانی کا چہیتا وہ ایک کھلونا تھا، اور

گھر کے سب ہی لوگ اس سے کھیلتے تھے۔ سردار دلیپ سنگھ اور ان کی بیوی تو اس لئے کہ وہ خود لاولد تھے۔ بہت سی کوششیں کر ڈالیں۔ مگر چوہے کا بچہ بھی نہیں پیدا ہوا سردار صاحب سردارنی پر بانجھ ہونے کا الزام لگاتے تھے۔ اور وہ سردار صاحب کی اہلیت کو سبب قرار دیتی تھیں۔ لیکن دونوں کے دل کچھ اس طرح ملے ہوئے تھے کہ ناچاقی کبھی نہ پیدا ہوئی۔

پھر فسادات کا خونیں دور شروع ہوا۔ اور لاہور سے یہ آگ پھیلتے پھیلتے راولپنڈی تک پہونچ گئی، اور ایک روز رات کے وقت سردار صاحب کی کوٹھی، بلوائیوں کے ہجوم میں گھر گئی، راجندر اپنے کمرہ میں دلجیت کور سے پریم اور محبت کی باتیں کر رہا تھا، وہ کہہ رہا تھا،

"تم اب ہمیں نہیں چاہتیں"

دلجیت کور نے اپنی نشیلی آنکھوں سے اسے دیکھا اور کہا،

"یہ کیسے جانا آپ نے؟"

راجندر نے ایک اداکار کی طرح ٹھنڈی سانس بھری، اور کہا،

"سب کچھ جانتا ہوں!"

دلجیت کور نے بچوں کی طرح مچلتے ہوئے کہا۔

"کیا جانتے ہیں آپ ہمیں بھی تو بتائیے؟"

راجندر نے ایک ٹھنڈی سانس پھر بھری اور کہا،

"تم کسی اور کو چاہتی ہو!"

دلجیت کور کو غصہ تو بہت آیا، لیکن اس نے ضبط کر کے کہا۔

"نام بھی بتا دیجئے، ؟"

وہ بے پروائی سے بولا

"کیا فائدہ! رقیب کا نام لینا نہیں چاہتا۔ رہی تم! سو جانتی ہی ہو اسے!

دلجیت کور اب غصہ نہ ضبط کرسکی، چیخی،

"آپ کیا سمجھتے ہیں مجھے؟"

"بے وفا!"

"میں بے وفا ہوں"؟

"ہاں، تم! تم ہو، جو میرے سینے پر کودوں دل رہی ہو، میری موجودگی میں دوسرے مرد کو پیار کرتی ہو، کلیجے سے لگاتی ہو، اندھا ہوں، کیا سب کچھ دیکھتا نہیں؟

دلجیت کور کی آنکھوں میں آنسو آگئے، وہ روہانسی آواز میں بولی،

"میں؟ —— میں کرتی ہوں یہ سب کچھ؟"

راجندر نے بڑے زور سے کہا۔

"ہاں تم! کہو تو آمنا سامنا کرادوں؟"

جل ہی تو گئی، بگڑ کر بولی،

"ہاں کرائیے۔ اور دونوں کو گولی مار دیجئے!"

اتنے میں ننھا جتندر رونے لگا۔ دلجیت کور نے بستر سے اٹھا کر اسے گلے سے لگا لیا۔ اور تھپک تھپک کر ٹہلنے لگی

راجندر نے جتندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا،

"یہ ہیں وہ حضرت!"

"وہ مرد جسے میں چاہتی ہوں، پیار کرتی ہوں؟"

"جناب! —— یہی، دیکھئے، مسکرا مسکرا کر مجھے چڑا بھی رہے ہیں"

دونوں ہنس دیئے!

راجندر نے کہا،

"کرو، انکار! کرسکتی ہو؟"

وہ ایک ادا سے بولی،

"نہیں کرتی!"

دونوں ہنس پڑے،

جتندر پھر رونے لگا۔ راجندر آگے بڑھا۔ اور دلجیت کور کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے پیار کرنے لگا۔ اور دفعتہً اس کے ہونٹ جتندر کے گال سے دلجیت کور کے گال پر پہونچ گئے۔ وہ جلدی سے ہٹ گئی اور بولی۔

"واہ، خوب موقعہ نکالا آپ نے بھی!"

راجندر ابھی کوئی جواب نہ دے پایا تھا کہ سردار دلیپ سنگھ ایک بڑی سی گٹھری دونوں ہاتھوں سے تھامے ہانپتے کانپتے آئے۔ ان کے پیچھے پیچھے سردارنی صاحبہ تھیں۔ وہ بھی بری طرح گھبرائی ہوئی تھیں، راجندر نے پوچھا،

"کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟"

وہ بولے،

"وہ آگئے، بھاگو!"

"کون آگئے؟ کچھ بتائیے تو؟"

"بلوائی مسلمان ! جلدی کرو، سارا محلہ انھوں نے گھیر لیا ہے، ہم چور دروازہ سے چھپ چھپا کر ابھی نکل سکتے ہیں !"

راجندر نے کہا،

"یہ نہیں ہو سکتا !"

وہ بہت گھبرائے ہوئے تھے، عاجز آ کر بولے،

"کیا نہیں ہو سکتا بھائی ؟"

"ہم بھاگیں گے نہیں ! لڑیں گے"

"باتوں کا وقت بالکل نہیں ہے راجندر !"

"ٹھیک کہتے ہیں آپ۔ یہ کام کا وقت ہے ہم نے ہتھیار کس دن کے لئے جمع کئے تھے ؟ رائفلیں کس وقت کے لئے خریدی تھیں، تلواروں پر آب کیوں چڑھوائی تھی ؟ میں کائر کی طرح بھاگنا نہیں چاہتا ——— مرد کی طرح لڑنا چاہتا ہوں"

وہ نیم مردہ آواز میں بولے۔

"کس سے لڑو گے ؟"

"جو لڑنا چاہے !"

"راجندر ! راجندر !"

"آپ جا سکتے ہیں۔ جائیے، میں یہیں رہوں گا، اور لڑوں گا !"

سردارنی صاحبہ بھی بھائی کی اس بے موقع بہادری پر، جھنجھلا گئیں، بگڑ کر بولیں،

"راجندر تجھے کیا ہوا ہے، پھر ہم پھنس جائیں گے کوئی راستہ نہ ملے گا !"

راجندر نے جواب دیا،

"تو میں کب روکتا ہوں تمہیں ؟ جاؤ، میں بلوائیوں کا مقابلہ کروں گا !"

شور بڑھتا جا رہا تھا، یہاں تک کہ گھر میں بہت سے لوگ داخل ہو گئے، سردار دلیپ سنگھ تھر تھر کانپنے لگے، سردارنی کی جان پر بن گئی، دلجیت کور بید لرزاں کی طرح کانپنے لگی۔ لیکن راجندر پہاڑ کی طرح اپنی جگہ کھڑا تھا۔ گھر کا سامان لوٹا جا رہا تھا۔ گھر میں آگ لگائی جا رہی تھی، اور یہ سارا گھر بے بس تھا۔ چند بلوائیوں نے راجندر کو بے بس کر دیا اور چھرے مار مار کر ڈھیر کر دیا، چند نے دلجیت کور کی نازک کلائیاں پکڑ لیں۔ اس نے ذرا سی مزاحمت نہ کی وہ چپ چاپ کھڑی رہی اور شوہر کی تڑپتی ہوئی لاش دیکھتی رہی۔ سردارنی نے جلدی سے ہینڈ کو گود میں لیا سردار دلیپ سنگھ نے گٹھری سنبھالی اور چور دروازہ سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ محلہ کا محلہ جل رہا تھا۔ لاکھوں کا سامان لوٹا جا رہا تھا، کئی خوبصورت عورتیں اور لڑکیاں گرفتار کی جا چکی تھیں، اور ان کے بارے میں پروگرام بن رہے تھے اس موقعہ پر سردار دلیپ سنگھ نظر بچا کر نکل گئے۔ بہنوئی کی لاش بھی ان کا دامن نہ کھینچ سکی۔ نوجوان اور خوبصورت بہن کی جدائی بھی ان کے پاؤں کی زنجیر نہ بن سکی۔ ان کا ولی عہد ہینڈ ساتھ تھا گٹھری میں بہت سے نوٹ اور زیورات تھے، کسی طرح وہ اسٹیشن پر پہنچے، وہاں ایک لاری ڈرائیور کو رشوت دے کر ٹرک حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے اور امرتسر پہونچ گئے، یہاں ان کی بیوی کا مکان موجود تھا آئے اور اطمینان سے دلجیت کور اور راجندر کو یاد کر کے رونے لگے۔ پھر اطمینان و عافیت کی زندگی بسر کرنے لگے۔

دلجیت کور، بلوائیوں کے ہاتھ آئی، اور اپنی آبرو کا خزانہ لٹاتی ہوئی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچتی رہی۔ کبھی وہ بیچی جاتی، کبھی وہ پیش کی جاتی، کبھی بھینٹ جاتی لیکن اسے چپ لگ گئی تھی، نہ روتی تھی نہ ہنستی تھی، راجندر کی موت نے اس کے منہ پر تالا لگا دیا تھا، وہ مسرت اور غم کا مفہوم بھول چکی تھی۔ جو اسے گھسیٹتا تھا اس کی گود میں آپڑتی تھی جو اسے دھکیلتا تھا اس سے پرے ہو جاتی تھی جب اور جو وقت استعمال کرنے کے لئے طلب کیا جاتا پہونچ جاتی اور پہونچتے ہی خود اپنے ہاتھوں اپنے کپڑے اتارنے لگتی۔ نہ واسطے دیتی نہ اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتی نہ انسانیت کا نام لے کر رحم کی طلبگار ہوتی، وہ ایک بے جان لیکن سرگرم مشین کی طرح کام کرتی تھی، اور اس کا کام ہی کیا تھا، صرف ایک کام، وہی کام جو ہندو اور سکھ مرد مسلمان عورتوں سے اور مسلمان مرد موقع پاکر ہندو اور سکھ عورتوں سے لیتے تھے۔!

اور آخر کار وہ بہت سے نشانوں کا ہدف بنتی ہوئی، چودھری اللہ دتا کے ہاں پہونچ گئی، چودھری صاحب بوڑھے آدمی تھے نیم جاہل لیکن عالموں اور اچھے لوگوں کے صحبت یافتہ نہایت با اصول اور بچے مسلمان وہ ایک ٹولی کے پنجے سے دلجیت کور کو چھڑا کر اپنے گھر لے آئے، پھول لاکھ مسلا جائے اور روندا جائے پھول ہی رہتا ہے دلجیت کور اتنی خراب کی جا چکی تھی کہ اس کی آب و تاب پر زنگ لگ گیا تھا، پھر بھی اس میں ایک آن تھی، پھول مرجھا چکا تھا لیکن رنگینی اور مہک ابتک باقی تھی چودھری صاحب کے چھوٹے صاحبزادے جنھوں نے فسادات کے زمانہ میں خوب مزے لوٹے تھے اب دلجیت کور پر ڈورے ڈال رہے تھے۔ ڈورے ڈالنے کی ضرورت بھی نہ تھی وہ تو اشارے پر چلتی تھی، ایک روز رات کو جب سارا گھر سو گیا تو مولا دین اللہ دتا کے

چھوٹے لڑکے نے دلجیت کور کو جو باورچی خانہ میں سو رہی تھی جا کر جگایا، وہ کھڑ بھڑا کر اٹھ بیٹھی، اور فوراً سمجھ گئی، معاملہ کیا ہے؟ وہ پھر اپنی گدڑی پر لیٹ کر داہنی طرف کھسک گئی، اور بولی،

"آؤ آجاؤ"

مولا نے کہا۔

"ارے پگلی یہاں نہیں! کوئی دیکھ لے گا!"

وہ سر اٹھا کر لیٹے لیٹے بولی۔

"پھر کہاں؟"

اس بے حجت کی رضامندی سے مولا کی طبیعت بجھ سی گئی، اس نے سوچا تھا پریم کا سوانگ رچائے گا۔ محبت کا دعوی کرے گا۔ لیکن اس کی ضرورت ہی نہ پیش آئی، سپردگی کا یہ حال دیکھکر وہ مسکرا دیا اور گویا ہوا۔

"میرے کمرہ میں!——— چل بالکل سناٹا ہے، کوئی بھی تو نہیں دیکھ رہا!"

وہ بے حیل دلجیت اٹھ کھڑی ہوئی، آگے آگے مولا دین اور پیچھے پیچھے، دلجیت دلجیت خاموش تھی اور مولا خوش، بہت خوش۔ اتنے میں اللہ دتا باہر نکلا، اس نے یہ سین دیکھا، اسے دیکھکر دونوں ٹھٹک گئے، وہ گرجا،

"یہ کیا ہو رہا تھا؟"

مولا خاموش رہا، اللہ دتا نے پھر کہا،

"تو اسے کہاں لے جا رہا تھا؟"

مولا نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا، اللہ دتا نے دلجیت سے پوچھا،

"تو کہاں جا رہی تھی؟"

وہ رک کر بولی،

"ان کے کمرے میں!"

"کیوں؟ کیا کرنے؟"

"یہ بلانے آئے تھے!"

"کیوں؟ کس لئے؟"

"کہہ رہے تھے وہاں چل، یہاں کوئی دیکھ لے گا۔"

اللہ دتا کے غصہ کا پارا انتہائی نقطہ پر پہونچ چکا تھا، اس نے چیخ کر پوچھا،

"لیکن کیوں لے جا رہا تھا تجھے وہاں!"

دلجیت نے بڑی سادگی سے کہا،

"گھر سے نکلنے کے بعد سے ایک جس لئے اِدھر سے اُدھر بھٹکتی پھر رہی ہوں، اور کس لئے؟"

اللہ دتا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، انھوں نے، ایک دو تھپڑ مولا کی پیٹھ پر مارا، اور اپنی بیوی کو آواز دی، وہ آنکھ ملتی ہوئی آئیں،

"کیا ہے؟ کیوں چیخ چیخ کر سارا گھر سر پر اٹھا لیا ہے؟"

"دیکھا کیا ہو رہا تھا؟ کیا ہونے والا تھا؟"

وہ مولا اور دلجیت کو اتنی رات گئے مجرم کی طرح باہر کھڑا دیکھ کر سب کچھ سمجھ گئیں انھوں نے کہا،

"ہائے یہ اندھیر!"

اللہ دتا نے کہا۔

ہاں! ——— یہ کمینہ سمجھتا ہے کہ اس کے باپ کا گھر بھی کوٹھی خانہ بن سکتا ہے۔ اس گھر میں بھی بے گناہوں کی آبرو لوٹی جا سکتی ہے۔ یہاں بھی اسلام کے نام پر اسلام کی گردن پر کند چھری چلائی جا سکتی ہے، سور!"

مولا خاموش تھا۔ اور اللہ دتا کہہ رہے تھے،

"سر توڑ دوں گا بدمعاش کا، اب اگر اس طرح کی بات کبھی میں نے دیکھی!"

آج پہلی مرتبہ دلجیت کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ لیکن وہ برابر ضبط سے کام لے رہی تھی، مولا خاموش نہ رہ سکا۔ اس نے کہا،

"اور ہماری جو ہزارہا عورتوں کے ساتھ یہی ہو رہا ہے!"

اللہ دتا نے غصہ کے ساتھ کہا،

"بڑے بہادر ہو تو جاؤ انھیں بچاؤ، گھر میں تلوار بھی ہے اور بندوق بھی، کس نے منع کیا ہے تمہیں؟ بہادری کا جوہر دکھا کر اپنی مسلمان بہنوں کو بچا لاؤ، یا ان کے بچانے میں اپنی جان دے دو، لیکن تم یہ نہیں کر سکتے، تم اپنی مسلمان بہنوں کو نہیں بچا سکتے، ہاں ان کی یاد میں بے بس، اور بے کس معصوم اور عصمت مآب ہندو اور سکھ لڑکیوں کی آبرو خراب کر سکتے ہو ——— یاد رکھو، یہ اللہ دتا کا گھر ہے، یہاں اسی کا حکم چلے گا۔ اگر تم آدمی بن کر دلجیت کو اپنی بہن سمجھ کر اس گھر میں رہ سکتے ہو تو رہو ورنہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔ چلے جاؤ، نکل جاؤ یہاں سے!"

اب دلجیت سے ضبط نہ ہو سکا، وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، آج پہلی مرتبہ وہ روئی تھی اور بری طرح اسکی آنکھیں بہ نکلی تھیں، اللہ دتا نے آگے بڑھ

کر اسے کلیجے سے لگا لیا۔ اور کہا۔

"بیٹی مت رو، جو کچھ تو گنوا چکی اسے میں واپس نہیں لا سکتا، لیکن وعدہ کرتا ہوں جب تک تو اس گھر میں ہے میری بیٹی بن کر رہے گی، اور اس گھر میں تجھے اس وقت تک رکھوں گا جب تک تیرے لوگوں تک عزت آبرو کے ساتھ پہونچا نہ دوں، یہ اللہ تعالیٰ کا فرض ہے۔ ایک مسلمان کا وعدہ!"

دلجیت کی آنکھوں سے اب تک آنسو بہہ رہے تھے۔ اور وہ روئے جا رہی تھی، مولا پر بھی ندامت طاری تھی۔ اور وہ چپ چاپ کھڑا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کہا

"معافی مانگ!"

اس نے ایک مسحور آدمی کی طرح کہا،

"معافی مانگتا ہوں!"

"مجھ سے نہیں اس لڑکی سے، اس دیوی سے، اس بیگناہ اور بے کس چھوکری سے، تو نے اس کا گناہ کیا ہے، میرا نہیں!"

مولا دلجیت کی طرف مخاطب ہوا، اور اس نے کہا۔

"معاف کر دو مجھ سے بہت بڑی خطا ہوئی!"

دلجیت نے زبان سے ایک لفظ نہ کہا۔ لیکن مولا کو ایسی نظر سے دیکھا جس میں پاک محبت جھلک رہی تھی، اس کی زبان چپ تھی، لیکن اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں،

بھائی میں نے تمہیں ایک دفعہ نہیں ہزار دفعہ معاف کیا!

مولا سر جھکائے ہوئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی بیوی سے کہا۔

"آج سے یہ لڑکی تمہارے کمرے میں، تمہارے ساتھ سویا کرے گی، سمجھیں!"

"ہاں ـــــــ چل بیٹی!"

وہ دلجیت کو لیکر اپنے کمرہ میں آئیں، ایک کونے میں اس کا بستر بچھا دیا۔ اور خود اپنی پلنگڑی پر دراز ہو گئیں، اتنے میں اللہ تعالیٰ کی آواز آئی۔

"ارے سنتی ہو!"

وہ کھڑبھڑا کر اٹھ بیٹھیں، اور میٹھے میٹھے پوچھا۔

"ہاں کیا ہے؟ سن رہی ہوں"

"ذرا ادھر آؤ!"

وہ شوہر کے پاس چلی گئیں، دونوں میں باتیں ہونے لگیں۔

دلجیت کی نیند غائب ہو چکی تھی، وہ لیٹے لیٹے یہ باتیں سن رہی تھی، اللہ تعالیٰ نے کہا،

"میں نہیں جانتا تھا، میرا بیٹا اتنا نالائق اور آوارہ نکلے گا!"

کہنے لگیں،

"اونھ، اب بس بھی کرو، ڈانٹ پھٹکار دیا، بات ختم ہو گئی"

"تمہارے نزدیک ہوئی ہے میرے نزدیک نہیں!"

"تو جاؤ گولی مار دو! اور کیا!"

"جی تو یہی چاہتا تھا، اور اگر وہ گناہ کر چکا ہوتا تو شائد میں یہی کرتا"

"اچھا اچھا سن لیا، اسے بھی سمجھا دوں گی، لیکن تم بھی تو سمجھو لڑکا ہے ابھی!

بہک گیا، اور پھر آج کل تو ایسا زمانہ آگیا ہے کہ یہ گناہ، گناہ نہیں ثواب سمجھا جا رہا ہے۔"

وہ ملائمت کے ساتھ بولے۔

"ٹھیک ہے، لیکن گناہ گناہ ہی رہے گا، میں اسے کیسے جائز کر دوں؟"

"سچ کہتے ہو، لیکن کہہ تو رہی ہوں، اکیلے میں مولا کو اور سمجھا دوں گی، اب نہیں کرے گا ایسا۔"

"اس لئے میں نے تمہیں نہیں بلایا تھا کہ ذرا سمجھا دو اسے!"

کچھ دیر سکوت رہا، پھر بڑی بی نے کہا،

"ایک بات کہوں؟"

"کہتیں کیوں نہیں کہو!"

"لڑکی نیک بھی ہے، خوبصورت بھی، اور شریف بھی معلوم ہوتی ہے!"

"ہاں تو پھر؟"

"مولا اسے چاہتا بھی ہے۔ جب سے آئی ہے میں یہی اندازہ لگا رہی ہوں!"

"تمہارا مطلب کیا ہے؟"

"شادی کیوں نہ کر دیں دونوں کی"

بڑے میاں کو پھر جلال آگیا، بگڑ کر بولے،

"کچھ دیوانی ہوئی ہو؟"

"یہ لو، دیوانی بن کی کیا بات کی میں نے؟"

"شادی بغیر ولی رضامندی کے نہیں ہو سکتی؟"

"میں بھی جانتی ہوں! راضی کر لوں گی لڑکی کو!"

"اللہ دتا نے زہر خند کرتے ہوئے کہا،

"راضی کر لو گی"

"ہاں کیوں نہیں؟ وہ راضی ہو جائے گی"

وہ طنز کرتے ہوئے بولے،

"کس طرح؟ ذرا مجھے بھی تو بتاؤ"

"اسے مجھ پر چھوڑ دو!"

"اسی طرح تو راضی نہیں کرو گی، جس طرح مولا نے ابھی اسے راضی کیا تھا؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ، تم، میں، یا مولا اسے کسی بات کا حکم دیں تو وہ نہیں کہہ بھی سکتی ہے؟ اس کی آتما مر چکی ہے۔ وہ خود ایک زندہ لاش ہے۔ اس کے ماں باپ چھینے جا چکے اس کا شوہر اس کی آنکھوں کے سامنے مارا جا چکا، وہ بلوائیوں کا کھلونا بنتی رہی، خدا جھوٹ نہ بلائے تو دو چار سو آدمی تو اب تک اسے خراب کر چکے ہوں گے اب اس میں مزاحمت کی قوت ہے کہاں؟ اس کا اپنا ارادہ کوئی چیز نہیں، وہ تو اشاروں پر چلتی ہے، چلنا پڑتا ہے، اس سے جو کہو منظور کرے گی۔ بغیر شادی کے جب سینکڑوں آدمی خراب کر چکے تو نکاح کے دو بول کے بعد بھی جو چاہے خراب کرے، اسے کیا انکار ہو سکتا ہے؟ لیکن کیا یہ شادی شادی ہو گی؟"

"کیوں نہیں ہو گی؟"

"ہرگز نہیں ہو سکتی!"

پھر ذرا رک کر بولے

"یہ مجبوری کی شادی ہوگی، نارضامندی کی شادی، حرام کاری کھلی حرام کاری، لڑکی کا دل نہیں بدلا، کوئی بدل بھی نہیں سکتا۔ مذہب نہیں بدلا۔ وہ بھی زبردستی بدلا نہیں جا سکتا۔ طبیعت نہیں اسے بھی کوئی نہیں بدل سکتا۔ اس کا دل ٹوٹا ہوا ہے، اس کی امیدیں مر چکی ہیں۔ اس کا گھر لٹ چکا ہے، وہ بے آبرو کی جا چکی ہے اس کا بچہ چھینا جا چکا ہے، اس کا شوہر مارا جا چکا ہے۔ ایسی مصیبت زدہ کے پاس دل کہاں، ارادہ کہاں، امنگ کہاں؟"

"پھر کچھ کہوں گی تو خفا ہو جاؤ گے!"

"کہو، نہیں خفا ہوں گا!"

"مسلمان عورتوں کے ساتھ بھی تو یہی ہو رہا ہے، انہیں بھی تو رنڈی بنایا جا رہا ہے، ہم تو گھر کی عزت ـــــ ہو ـــــ بنا رہے ہیں، پھر بھی ہم بڑے، اور وہ اچھے، یہ تم مسلم لیگی سے کانگریسی کیسے بن گئے!"

ایک قہقہہ کی آواز بلند ہوئی، اللہ دتا نے کہا۔

"پگلی، میں اب بھی مسلم لیگی ہوں، سچا اور کھرا مسلم لیگی وہ لوگ نہیں ہیں جو فسادات میں حصہ لے رہے ہیں، اور غیروں کی بہوؤں بیٹیوں سے منہ کالا کر رہے ہیں۔ تم بھی ایک عورت ہو، تم بھی ایک لڑکی کی ماں ہو، اور اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر کہو میں تمہارے سامنے مار ڈالا جاتا اور پھر کوئی مسلم تم سے شادی کرنا چاہتا تو ہنسی خوشی کر لیتیں تم شادی؟ تمہاری لڑکی کا سہاگ لوٹ لیا جاتا، اور پھر کوئی ہندو اسے اپنی بہو بنانا چاہتا تو رضامند ہو جاتی، وہ دل سے؟

سچ کہنا!

کہنے لگیں۔

"توبہ کرو، ایسی بدفال منہ سے نکالتے تمہیں شرم نہیں آتی؟ لاج نہیں آتی؟"

"بالکل نہیں"

"تم تو اب سٹھیا گئے ہو ہاں!"

کچھ دیر خاموش رہ کر بولیں،

"مولا کی شادی ہوگی، اس لڑکی سے!"

"ہرگز نہیں ہو سکتی!"

"ہو کر رہے گی!"

"اگر ہو کر رہے گی۔ تو مولا سے نہیں مولا کی لاش سے ہوگی مجھے بوڑھا نہ سمجھنا، ابھی ان بوڑھے ہاتھوں میں اتنا دم ہے کہ وہ جوان بیٹے کا گلا گھونٹ سکتے ہیں۔ آیا خیال میں؟"

وہ سہم گئیں، رونے لگیں، کچھ دیر تک خاموشی سی چھائی رہی، پھر اللہ دتا نے کہا۔

"ایک بات مان کھول کر سن لو!"

"بہت کچھ سن چکی، اب کچھ نہیں سن سکتی!"

"سن لو تمہارے بھلے کی کہتا ہوں!"

وہ خاموش ہو گئیں۔ اور اللہ دتا نے کہا،

"خدا سے ڈرو، خدا کے غضب سے ڈرو، ظالموں کو چھوڑ کر مظلوموں سے

بدلہ لینے والے کو خدا کبھی معاف نہیں کر سکتا،

کبھی نہیں"

"لیکن وہ تو محبت کرتا ہے اس سے!"

"اری پگلی، تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے، ایک ہاتھ سے نہیں۔ پہلے تم نے مجھ پر چاہ کا جال پھینکا تھا۔ پھر میں نے پھر ہم دونوں کا پریم بندھن کوئی توڑ نہ سکا"

مسکرا کر کہنے لگیں،

"بٹو بھی اتنا جھوٹ تو نہ بولو، اپنی باتیں سب بھول گئے میری جھوٹ سچ سب یاد ہیں۔ دوپہر کو کوٹھے پر چڑھ کر کون گانے گایا کرتا تھا میں کہ تم؟

اور چلچلاتی ہوئی دوپہر کی دھوپ میں جھولے ڈال کر کون مدبھری تانیں لگایا کرتا تھا؟ میں کہ تم؟ ——— جی جناب تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے"

"اب بتاؤ کیا دلجیت بھی مولا سے محبت کرتی ہے؟ کر سکتی ہے؟ اس کا ٹوٹا ہوا دل تم اور توڑ سکتی ہو جوڑ نہیں سکتیں، یہ شادی نہیں ہوگی، پاپ ہوگا!"

دو ہنسی ہو کر بولیں،

"پھر کیا ہوگی؟" ———

"کچھ نہیں"

"شادی نہیں ہوگی؟"

"ہرگز نہیں!"

تو مولا مر جائے گا!

مر جانے دو، میں اسکی موت گوارا کر سکتا ہوں، لیکن ایک بیگناہ کی ہتیا نہیں لے سکتا!"

باقاعدہ رونے لگیں،

"ہائے تم کیسے باپ ہو!"

"لیکن باپ سے پہلے مسلمان بھی تو ہوں!"

"بڑے مسلمان!"

پھر کچھ دیر تک خاموش رہی، بڑی بی کی سسکیوں کی آواز البتہ آتی رہی اللہ دتا، بار بار بیڑی سلگاتے اور مرفد مرفد کر پھینکتے رہے، پھر انھوں نے بڑے نرم لہجہ میں کہا۔

"میں بھی مولا کا دشمن نہیں ہوں"

"خدا تم جیسے دوستوں سے بچائے!"

"دیکھو ایک بات کرو"

امتہ کی ہلکی سی کرن نظر آئی سسکیاں بند کر کے بولیں "کیا"؟

"دلجیت کو اپنی لڑکی کی طرح رکھو، ہر غم اس کے دل سے بھلا دو، ابھی وہ بے ہوش ہے اس کی رضامندی اور خوشنودی کوئی معنی نہیں رکھتی، تمہارے اچھے برتاؤ سے جب وہ ہوش میں آ جائے، اور اسے یہ یقین ہو جائے۔ کہ تلوار کی نوک پر اس سے بات نہیں منوائی جاتی، پھر اگر وہ راضی ہو تو میں شوق سے مولا کی شادی کر دوں گا۔ اس سے!"

"پھر بھی نہ راضی ہو تو؟"

تو میں طرح بھی بنے گا، اس کے گھر والوں کا پتہ چلاؤں گا اور اُسے وہاں پہونچا دوں گا!"

"نہ پتہ چلا تو؟"

"تو وہ ایک شریف بیوہ لڑکی کی حیثیت سے میرے گھر میں رہے گی، اور کوئی اسے چھیڑ نہیں سکے گا۔ کوئی اسے بُرے ارادے سے نہیں دیکھ سکے گا۔ اور اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کی آنکھیں پھوڑ دوں گا۔ اس کا گلا گھونٹ دوں گا!"

جل کر بولیں،

"گلا گھونٹنے کا بار بار ذکر کیوں کرتے ہو، معلوم ہے، بڑے پہلوان ہو!"

"صرف اس لئے کہ تم مولا کو راہ راست پر لے آؤ۔"

وہ بہرا ہے۔ میرے الفاظ چیخ چیخ کر اس کے کانوں تک پہونچا دو۔ وہ آنکھیں رکھتے ہوئے بھی بھٹک چکا ہے۔ اسے سیدھے راستے پر لگا دو۔ میں اگر اس کی جان لوں گا۔ تو یقین رکھو خود بھی زندہ نہ رہوں گا۔ اپنی اولاد میں سب سے زیادہ اسی کو چاہتا ہوں لیکن اپنی قوم اور اپنے مذہب کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ اپنے گھر میں اور اپنے ہاتھ سے نہیں لگا سکتا! ——— یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ اور دنیا کی کوئی طاقت اسے بدل نہیں سکتی!"

یہ باتیں سنتے سنتے وہ روٹھ گئیں، جل کر کہنے لگیں۔

"سن لیا سب کچھ، اب بند بھی کرو، اپنا وعظ مجھے نیند آ رہی ہے!"

بیڑی پھینک کر وہ اپنی پلنگڑی پر لیٹ گئے، اور کہنے لگے۔

"جاؤ سو رہو!"

وہ دوپٹہ سنبھالتی ہوئی اٹھیں، دروازہ سے نکلتے ہوئے انھوں نے ایک سایہ سا بھاگتا ہوا دیکھا جو مولا کے کمرے میں جا کر غائب ہو گیا۔ سمجھ گئیں، ساری باتیں مولا

نے خود اپنے کانوں سے سن لیں، دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہو گیا، وہ خود سب کچھ سن چکا ہے۔ تو اسے باپ کے فیصلہ کے آگے سر جھکانے پر شاید آسانی سے راضی کیا جا سکے وہ ایک ٹھنڈا سانس بھرتی ہوئی اپنے کمرہ میں آئیں۔ اور چپ چاپ دلائی اوڑھ کر لیٹ گئیں،

دلجیت کور کی طرف انھوں نے توجہ بھی نہ کی، حالانکہ وہ بدستور جاگ رہی تھی اس نے اللہ وتا، اور ان کی بیوی کی ایک ایک بات سنی تھی، اب سے پہلے تک وہ واقعی بیہوش تھی، اور ایک بے بس معمول کی طرح اپنے نئے آقاؤں کا حکم بجا لا رہی تھی، لیکن اس وقت کی باتیں سنکر اس کا ہوش واپس آ گیا تھا۔ اس میں اب سوچنے سمجھنے کا مادہ پیدا ہو گیا تھا اب تک وہ مسلمانوں کو غنڈا اور موالی سمجھتی تھی، آج اسے معلوم ہوا سب مسلمان ایسے نہیں ہوتے، بلکہ سچے مسلمان ایسے ہوتے ہیں۔ جیسا اللہ وتا اور بدمعاش کہاں نہیں ہوتے؟ ہندو، مسلمان، سکھ، سب ہی اپنی اپنی جھولی میں بدمعاشوں کو بھرے ہوئے ہیں، لیکن ان میں نیک اور پاک لوگ بھی ہیں۔ اب تک وہ مسلمانوں سے شعوری طور پر بھی، اور غیر شعوری طور پر نفرت کرتی تھی۔ اسلام کو لٹیروں کا مذہب سمجھتی تھی لیکن اللہ وتا کی باتیں سنکر اس کی آنکھیں کھل گئیں، اور اسے یقین ہو گیا اسلام بڑا اچھا مذہب ہے۔ اور مسلمان قوم میں، جہالت اور کم علمی کے باوجود ایسے ایسے ہیرے اور جواہر بھی موجود ہیں۔ جیسا یہ اللہ وتا! اللہ وتا کی صورت گرو نانک سے ملتی ہوئی تھی، وہی خوبصورت چہرہ، وہی دودھ کی طرح سفید داڑھی، وہی چہرے پر نور، اور جلال، اللہ وتا کے چہرے میں اسے گرو نانک کی تصویر نظر آنے لگی، اور وہ سوچنے لگی، گرو نانک نے پھر جنم لیا ہے،

بڑی دیر تک وہ یہی باتیں سوچتی رہی، نہ جانے کیا کیا سوچتی رہی، دماغ کی فلم پر تصور کا کیمرہ نہ جانے کیسی کیسی تصویریں اتارتا رہا۔ اور وہ بڑے انہماک کے ساتھ انہیں دیکھتی رہی، یہاں تک کہ اسے نیند آگئی۔ اور آج کئی مہینے کے بعد اطمینان کی نیند آئی، آج وہ بڑے ڈراؤنے خواب دیکھ کر چونکی اور چیخی نہیں سہانے، اور دلکش خواب دیکھکر میٹھی نیند سوتی رہی!

---

(۵)

عائشہ

جو بارہ مسلمان لڑکیاں، سردار دلیپ سنگھ کے حصہ میں آئی تھیں۔ عفت نے پاس والی کوٹھری صاف کر کے انھیں اس میں لا بٹھایا، سب کا خون خشک ہو چکا تھا، پھر بھی حسن اپنی جھلک دکھا رہا تھا، جوانی چھپائے نہیں چھپتی تھی، غم کے اندھیارے اور مصیبت کی تاریکی میں بھی وہ اپنی چمک دمک دکھا رہی تھی، انھوں نے عفت کو دیکھا، عفت نے انھیں اور سب نے زبان بے زبانی سے آنکھوں آنکھوں ہی میں ایک دوسرے کی کہانی پڑھ لی، عفت کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا آئیں وہ جانتی تھی، ان پاک اور پاکباز لڑکیوں

کے ساتھ آج رات کس قسم کا کھیل کھیلا جائے گا۔ اور یہ لڑکیاں کچھ خاموش تھیں۔ کچھ چشم پُر آب۔ کچھ سسکیاں لے لے کر رونے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔ ان کی آواز بیٹھ چکی تھی، ان کے آنسو خشک ہو چکے تھے، یہ دو وقت کے فاقے سے تھیں، بڑی دیر سے انھیں پانی کا ایک گلاس بھی میسر نہ آیا تھا، ان کا سب کچھ لٹ چکا تھا، ہر چیز چھینی جا چکی تھی، باپ، بھائی، بہن، شوہر، ماں، سب کے سب کرپانوں اور بلموں کا نشانہ بن چکے تھے۔ اب دنیا میں ان کا کوئی باقی نہ رہ گیا تھا جسے یہ اپنا کہہ سکیں، جس کے لئے جینے کی تمنا کر سکیں جس کے سہارے زندگی گذار سکیں، صرف ایک اللہ تھا۔ جس سے لو لگی تھی، لیکن قبل اس کے کہ آبرو لٹے، اور عصمت دری ہو وہ فریاد سن سکے گا؟

وہ سنتا ضرور سب کی ہے، لیکن بہت دیر میں، وہ انتقام بھی لیتا ہے۔ ظالم کو کبھی معاف نہیں کرتا، لیکن انصاف اور انتقام سے زخم نہیں بھرتے، ٹوٹے ہوئے دل نہیں جڑتے، یا اللہ اب کیا ہوگا! یا اللہ اب کیا ہونے والا ہے؟ یا اللہ ہماری جان چلی جائے۔ لیکن آبرو بچ جائے، مستقبل تاریک تھا، لیکن تاریک مستقبل ہی، اس حقیقت کی غمازی کر رہا تھا۔ جو کچھ دیر کے بعد رونما ہونے والی تھی! ——

سردار دلیپ سنگھ نے آج وسیع پیمانہ پر ایک جشن کا انتظام کیا تھا۔ رات بھر شراب پی جائے گی، کباب کھائے جائیں گے، گانا سنا جائے گا۔ ناچ دیکھا جائے گا۔ اور پھر —— پھر مزے لوٹے جائیں گے، دلجیت کور کا انتقام ان بے گناہ مسلمان لڑکیوں سے لیا جائے گا۔ انھیں کاٹا جائے گا۔ کچلا جائے گا۔ روندا جائے گا۔ مسلا جائے گا۔ ان کی جوانی کی بہار ایک ہی رات میں ختم کر دی جائے گی۔ ان کی آبرو کا خزانہ ایک ہی رات میں خالی کر دیا جائے گا۔ پھر ان سب کو مار ڈالا جائے گا —— مار ڈالا

جائے گا، کتنی آسان بات ہے، لیکن یوں تھوڑی کہ تلوار ماری اور بھٹا سی گردن اڑ گئی یہ تو بہت معمولی طریقہ ہے انھیں ضرور مار ڈالا جائے گا، مگر اس طرح کہ ان کے پستان تیز چھری سے تراشے جائیں گے، ان کے لمبے لمبے بال قینچی سے کترے جائیں گے۔ ان کی دہکتی آنکھیں پھوڑ دی جائیں گی پھر اعضاء شکنی کے بعد اور بھی بہت کچھ ہوگا۔ تب جا کر یہ مریں گی۔ تب جا کر ان کے مار ڈالنے کا پروگرام پورا ہوگا۔ موت ایک دفعہ آتی ہے لیکن انھیں کئی کئی دفعہ موت کا مزہ چکھنا پڑے گا۔

سردارنی بڑے شوق سے کھانا پکا رہی تھیں، سردار صاحب شراب کے قرابے خریدنے، اور اپنے دوستوں کو مدعو کرنے تشریف لے گئے تھے، عفت کو موقعہ ملا کہ دو گھڑی ان بدقسمت لڑکیوں سے باتیں کر لے، اس نے ایک بڑی بڑی آنکھوں والی من موہن اور نازک اندام لڑکی سے پوچھا،

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"ناظمہ!"

"کہاں سے آ رہی تھیں؟"

"رکھائی سے بولی

"دلی سے"

"جا کہاں رہی تھیں؟"

پُرنم آنکھوں سے جواب دیا۔

"پاکستان"

عفت کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے، وہ بھی تو اپنے شوہر اور بچہ کی معیت

میں پاکستان ہی ایک قافلہ کے ساتھ جا رہی تھی، مگر شوہر لڑتے لڑتے لاپتہ ہو گیا جانے زندہ ہے کہ مر گیا؟ اس کا بچہ اس کے سامنے ذبح کر دیا گیا، اور قافلہ کے ہزاروں مرد ان مجاہد سب کو چھوڑ کر نوک دم بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس نے پوچھا

"پاکستان کیوں جا رہی تھیں؟"

ناظمہ نے روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ جواب دیا۔

"زندہ رہنے کے لئے"

اور وہ رونے لگی، ناظمہ کے ساتھ عفت بھی، اور دوسری ستم زدہ لڑکیاں بھی۔ سب کی سسکیاں بندھی ہوئی تھیں، رونے کی اجازت بھی تو نہیں تھی سسکیاں بھی ڈر ڈر کر لے رہی تھیں کہیں کوئی سن نہ لے، اس گروہ میں ایک لڑکی بڑی خاموش تھی۔ جتنی زیادہ خوبصورت تھی، اتنی ہی باوقار، اس کا نام عائشہ تھا۔ عمر کوئی ۲۰، ۲۲ سال کی ہوگی، جب آنسوؤں کا طوفان تھما، تو عفت نے پوچھا۔

"کچھ اپنی کہانی سناؤ بہن!"

عائشہ نے بڑے سکون کے ساتھ کہا:

"میری کہانی بڑی مختصر ہے، دلچسپ ذرا بھی نہیں، سن کر کیا کرو گی!"

عفت نے کہا۔

"ذرا دل کا بوجھ ہلکا ہوگا!"

عائشہ بولی۔

"پھول کھلنے نہ پایا تھا کہ مرجھا گیا، مرجھانے نہ پایا تھا کہ پاؤں تلے روند ڈالا گیا!"

عفت نے پوچھا۔

"تمہارے شوہر ساتھ تھے؟"

وہ بولی،

"ہاں تھے!"

عفت نے سوال کیا،

"پھر کیا ہوا؟ کیا بیتی؟"

جواب دیا۔

"پھر کیا بہادر کی طرح لڑتے ہوئے شہید ہو گئے!"

عفت کو شوق جستجو اور بڑھا،

"کوئی بچہ بھی تھا؟"

خشک سا جواب ملا،

"ہاں تھا!"

عفت نے بیتاب ہو کر پوچھا،

"اور وہ؟ اس کا کیا حشر ہوا؟"

عائشہ نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"بکری کی طرح ذبح کر ڈالا گیا، پھر میری گود میں پھینک دیا گیا، میں نے اسے زمین پر پٹخ دیا!"

عفت کو اپنا انور یاد آ گیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ عائشہ نے کہا،

"روتی کیوں ہو؟"

وہ بولی،

"میرا انور!"

"تمہارا بھی بچہ تھا؟"

"ہاں"

"وہ بھی ذبح کر دیا گیا؟"

"ہاں!"

"اور شوہر؟"

"وہ بھی"

"شہید ہو گئے؟"

"یہ نہیں جانتی"

ایک لڑکی بولی یا اللہ اب کیا ہوگا، یہ لوگ کیا کریں گے۔ ہمارے ساتھ؟

عفت نے کہا۔

"وہی جو میرے ساتھ ہوا۔ ہر مسلمان عورت کے ساتھ ہوتا ہے!"

"وہی بے آبروئی!"

"ہاں!"

"ننگا ناچ!"

"ہاں"

"خرید و فروخت؟"

"ہاں"

بھیڑ بکری کی طرح تجارت؟"

"ہاں!"

"قتل؟"

"ہاں قتل بھی! جو ناپسند آتی ہے، یا جس سے جی بھر جاتا ہے، یا جس کا کوئی اچھا گاہک نہیں ملتا، اسے عذاب دے دے کر مار ڈالتے ہیں!"

ساری لڑکیاں پھر سہم گئیں، اور ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ کر رونے لگیں۔ ان میں ایک سب سے کم سن لڑکی تھی، خالدہ، دہشت اور سراسیمگی کے مارے اس کی حالت بہت بری تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا، اس کے دل کی حرکت بند ہو جائے گی، عائشہ نے کہا،

"خالدہ بہن ____ تم زندہ رہنا چاہتی ہو؟"

وہ بدستور روتی رہی،

عائشہ نے پھر کہا،

"اگر زندہ رہنے کی تمنا ہے، تو صرف مذہب بدل لو، پھر تمہیں کوئی نہ مارے گا تمہارے ساتھ رعایتیں ہوں گی، کہو تو میں سفارش کر دوں؟"

خالدہ روتے روتے بگڑ کر بولی،

"آپ کو شرم نہیں آتی، کیسی باتیں کر رہی ہیں، آپ؟"

عائشہ بولی،

"تو پھر ایک مسلمان کی طرح، مرنے کے لئے تیار رہو، موت سے بڑھ کر آسان کوئی چیز نہیں، زندگی ہر آن اور ہر وقت ختم ہو سکتی ہے، لیکن ایسی موت جو خدا کو

جنجھوڑ ڈالے آسانی سے نہیں ملتی، بڑی مشکل سے ملتی ہے ہر ایک کو نہیں ملتی کسی کسی کو ملتی ہے، خوش قسمتی پر فخر کرو کہ اتنی اچھی موت کا موقعہ تمہیں مل رہا ہے، کم ظرفی کا ثبوت نہ دو!"

خالدہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا،

"اس موت کے لئے کیا کیا کرنا پڑے گا؟"

"سب کچھ!"

سب عائشہ کے چہرے کی طرف دیکھنے لگیں، کہ اب وہ کیا کہتی ہے؟ جیسے نادان لوگ نجومی کی طرف صورت سوال بن کر دیکھتے ہیں کہ اب وہ مستقبل کے پردے کھولے گا۔ عائشہ نے ایک منجم کی طرح ذرا بھی ہراساں ہوئے بغیر کہا۔

"تمہیں اپنے سارے کپڑے اتار کر ننگا ہونا پڑے گا تمہیں غیر مردوں کے ہاتھوں اپنی آبرو گنوانا پڑے گی، تمہیں اسلام کے خلاف گالیاں سننی پڑیں گی۔ تمہیں اپنے بھائی، بہن، شوہر، باپ، وغیرہ کا غم بھول کر، داشتہ بننا پڑے گا، رنڈی بننا پڑے گا، کھوٹے سکوں کے عوض بکنا پڑے گا، بازار بازار ہاٹ ہاٹ، شہر شہر گھومنا پڑے گا، پھر جس طرح گائے دودھ دینے کے قابل نہیں رہتی، اور ذبح کر دی جاتی ہے۔ اسی طرح جب تمہارا رس ختم ہو جائے گا جوانی بے رنگ ہو جائے گی حسن مٹ جائے گا۔ اور اطمینان رکھو، یہ سب مرحلے، برسوں میں نہیں ہفتوں اور دنوں میں طے ہو جائیں گے، تو تم قتل کر دی جاؤ گی، تمہارا ایک ایک عضو کاٹا جائے گا۔ پھر تم مرو گی پھر تم جب اللہ میاں کے دربار میں پہونچو گی تو تمہیں دیکھ کر ان کی غیرت کو جوش آئے گا، انکی کبریائی تھرانے لگے گی، ذرا سوچو تو خدا کے

سامنے تم کس طرح پہونچو گی؟ کفن میں لپٹی ہوئی اور کافور میں بسی ہوئی نہیں، ننگ دھڑنگ ساتوں آسمان ہلنے لگیں گے، فرشتے تھرانے لگیں گے، عرش کانپنے لگے گا اور خود خدا کی ہم خدا پرستوں کا یہ حال دیکھ کر کیا حالت ہوگی، میں کہہ نہیں سکتی لیکن اتنا ضرور کہہ سکتی ہوں، اور پورے ایمان و اعتقاد کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ ہماری یہ درگت اللہ میاں کا دل ضرور ہلا دے گی۔ کیونکہ یہ سب کچھ انہی ہی کی خاطر ہو رہا ہوگا ری ہوگی ایسی موت سے بھی بڑھ کر کوئی موت ہے جو اس دنیا کے پیدا کرنے والے کو تیرا مجنون بنا دے؟ یہ موت مر کر تو خدا پر احسان کرے گی!______"

خالدہ نے آگے بڑھ کر عائشہ کی گردن میں باہیں ڈال دیں اور سسکیاں لینے لگی۔ اس نے کہا۔

"آپا۔ اب بس کرو، چپ رہو، خدا کے لئے!"

عائشہ چپ ہو گئی۔

عفت نے عائشہ سے پوچھا،

"یہ آپ کی کون ہیں؟"

"چھوٹی بہن!"

"سگی؟" ______ اس کا منگیتر بھی اس کے سامنے ریل کے ڈبہ میں "تکے بوٹی" کر ڈالا گیا!"

خالدہ بدستور عائشہ کے گلے سے لگی رو رہی تھی، اور سب پر سناٹا چھایا ہوا تھا، موت کا سناٹا!

(٦)

ناٹک

عفت بڑی دکھی تھی کہ سردار دلیپ سنگھ کی سالی لاجو اپنے شوہر گمبیر سنگھ کے ساتھ آئی، سردارنی صاحبہ اسے دیکھ کر پھول کی طرح کھل گئیں چھوٹی بہن تھی لیکن بڑی چہیتی، لاجو اس سے پہلے بھی آ چکی تھی، اور عفت کو دیکھ کر اس کا دل بہت کڑھا تھا۔ اس نے عفت کی ساری داستان سنی تھی، اس کا جی چاہتا تھا عفت کو پیار کرے، اس کے آنسو پونچھے، اس کے گلے میں باہیں ڈال دے۔ اور اس سے کہے، عفت بہن، ان جانوروں کو معاف کرو۔ ان سے ناتا توڑ لو چلو میرے ساتھ میکے چلو! میں تمہارا غم نہیں بانٹ سکتی، لیکن سکھ پہنچا سکتی ہوں میں

تمہارا بچہ زندہ نہیں کر سکتی لیکن تم میرے ننھے جگندر کو گود لے لو، بالکل تمہارے جیسا ہے، جسے تم اپنانا چاہتی ہو، میں تمہارا شوہر بھی تمہیں واپس نہیں دے سکتی لیکن بھائی دے سکتی ہوں، یہ میرا شوہر گمبیر بڑا نیک اور شریف آدمی ہے۔ اس نے درجنوں، مسلمان لڑکیوں کی آبرو بچائی ہے، اس نے بہت سے مسلمانوں کو موت کے پنجے سے چھڑایا ہے۔ اس نے سینکڑوں مسلمانوں کو پناہ دی ہے اور انھیں کیمپ تک صحیح سلامت پہنچایا ہے۔ یہ مجھے دل و جان سے چاہتا ہے۔ میرا حکم نہیں ٹال سکتا، یہ تجھے سگی بہن کی طرح رکھے گا، تیری حفاظت کرے گا۔ اور ایک روز وہ پگلی واقعی عفت کے گلے میں باہیں ڈال کر رونے لگی اور وہی باتیں جو اسے دیکھ دیکھ کر سوچا کرتی تھی، کہنے لگی۔ عفت بھی لاجو کی اس دلجوئی سے بہت متاثر ہوئی۔ اور عین اسی وقت جب عفت، اور لاجو ایک ساتھ رہنے کا پروگرام بنا رہی تھیں۔ سردارنی صاحبہ آ گئیں، بھوکی شیرنی کی طرح گرجیں "لاجو، لاجو!"

لاجو کے ہاتھوں نے عفت کی گردن چھوڑ دی، اور سہم کر بولی

"کیا ہے؟"

"یہ کیا ہو رہا تھا؟"

"کچھ بھی نہیں!"

"اب تجھے اس کلنکنی سے ملتے نہ دیکھوں، اٹھ چل!"

وہ بڑی بہن سے بہت ڈرتی تھی، اٹھ کھڑی ہوئی، سردارنی نے غصے کے ساتھ کہا،

"یہ تیرے بھائی راجندر کی قاتل ہے، اسی نے دلجیت کور کی لاج لوٹی ہے!"

لاجو نے عفت کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اس نے ؟"

سرجارنی بگڑ کر بولیں،

"ہاں اس نے یہ مسلمان ہے کہ نہیں ؟ اس کے مسلمان بھائی بندوں نے جو کچھ کیا کیا اسکی سزا اسے نہیں ملے گی ؟"

"لیکن ــــــــ"

سردارنی بات کاٹ کر بولیں،

"لیکن ویکن کچھ نہیں، اب اس کوٹھری میں قدم نہ رکھنا آنا کہے دیتی ہوں۔"

عفت رونے لگی، لاجو کا دل بھر کڑھنے لگا۔ اس نے کہا،

"یہ بے گناہ ہے، دوسروں کا بدلا اس سے لینا پاپ ہے !"

"اچھا بس چل، میں تیرا اپدیش نہیں سنتی :"

دوسرے دن وہ چلی گئی، اور گھر جاکر اس نے اپنے شوہر رگھبیر کو ساری داستان سنائی۔ اور اسے آمادہ کیا کہ وہ بھی ساتھ چلے اور ہم دونوں، عفت کو مانگ لائیں رگھبیر بڑا شریف اور نیک آدمی تھا۔ عفت کی دردانگیز کتھا سنکر وہ بہت متاثر ہوا، اور بیوی کے ساتھ امرت سر چلنے پر راضی ہوگیا۔ لیکن بعض ضروری کاموں کی وجہ سے جانا برابر ٹلتا رہا۔ آخر ایک دن، لاجو، شوہر سے روٹھ گئی، اس نے کہا۔

"اب چلو بھی تو تمہیں ساتھ نہیں لے جانے کی۔ اکیلی جاؤں گی اور جس طرح بنے گا عفت کو لیکر آؤں گی !"

رگھبیر نے بڑی دیر تک منتیں کرکے بیوی کو منایا اور دونوں خوش خوش

امرت سر سردار دیپ سنگھ کے گھر پہونچ گئے۔ سردار صاحب ابھی ابھی باہر سے لدے پھندے تشریف لا رہے تھے۔ انھوں نے رگھبیر کا بڑا پرتپاک استقبال کیا۔ لاجو کو سردارنی صاحبہ نے گلے سے لگایا اور کہا۔

"بڑے موقعہ سے آئی تو !"

"کیوں ؟ کیا بات ہے ؟"

"آج بڑے مزے کا تماشہ ہوگا !"

"تماشہ ؟ کیا تماشہ ؟"

"ہاں بڑا دلچسپ، تو بھی دیکھیو !"

"کیسا تماشہ بہن ؟"

"تو نہیں سمجھی ؟ بڑی بھولی ہے، آ میرے ساتھ"

سردارنی صاحبہ، لاجو کو لے کر اس کوٹھری پہونچیں، جہاں بارہ نوجوان مسلم لڑکیاں، ہتھکڑی اور بیڑی کے بغیر قید اور پابجولاں بیٹھی تھیں۔ وہ سردارنی اور لاجو کو دیکھکر سہم گئیں۔ صرف عائشہ تھی جو بے پرواہی کے ساتھ بیٹھی رہی۔ اس نے پرواہ بھی نہ کی کون آیا ہے ؟ اور کیوں آیا ہے ؟ سردارنی نے لاجو سے کہا۔

"دیکھا ــــ دیکھ لیا ؟"

"ہاں دیکھا کون ہیں یہ ؟"

"مسلمان !"

"اوہ یہ پکڑ کے آئی ہیں ؟"

"ہاں"

لاجو نے ایک نظر ان سب لڑکیوں پر ڈالی، اس کا دل پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ان غریبوں کا حال زار دیکھ کر وہ لرز گئی، انہیں دیکھ کر وہ سب کچھ سمجھ گئی۔ جلدی سے باہر نکل آئی، باہر آ کر بہن سے پوچھا،

"انہیں کا تماشہ ہوگا؟"

"ہاں پگلی!"

"بہن تم بڑی نیک تھیں، تمہارا دل پتھر کا کیوں ہو گیا ہے؟ سردارنی صاحبہ بگڑ گئیں۔

"پھر تو نے اپدیش شروع کیا؟ میں تیری طرح نہیں ہوں، راجندر کو نہیں بھول سکتی۔ دلجیت کور کا معصوم چہرہ اب تک میری آنکھوں کے سامنے پھر رہا ہے۔!"

لاجو جل ہی تو گئی، پہلی مرتبہ ذرا تلخی کے ساتھ بہن کو جواب دیا

"پھر راجندر کو مرنے کیوں دیا؟ دلجیت کور کو جانے کیوں دیا؟ اس ہتیا چارے سے راجندر واپس آ سکتا ہے نہ دلجیت کور"

"بس لیا، چل چل!"

"بڑبڑاتی ہوئی رسوئی کی طرف چلی گئیں، اور لاجو سیدھی عفت کے کمرہ میں پہونچی۔ اسے امید تھی عفت دیکھتے ہی گلے سے لپٹ جائے گی۔ لیکن وہ چپ چاپ پڑی ہوئی تھی، لاجو اس کے قریب گئی، ہاتھ پکڑ

کر جھنجھوڑا۔

"عفت!"

لیکن عفت کا ہاتھ انگارے کی طرح گرم تھا۔ وہ بہت بخار میں جھلس رہی تھی۔ اور نیم بے ہوش تھی، وہ دوڑی دوڑی بہن کے پاس گئی اور کہا۔

"بہن"

"ہاں، کیا ہے؟"

"عفت کو بخار ہے"

"تو میں کیا کروں؟"

"بڑا تیز بخار ہے بہن!"

"مرنے دے پاپن کو"

"کوئی دوا نہیں ہے؟"

"دوا کہاں سے آئی، میں نہ حکیم نہ ڈاکٹر، تو ہی اسکی دوا ہے، جا بیٹھ اس کے پاس تجھے دیکھتے ہی اچھی ہو جائے گی"

لاجو، مایوس ہو کر، پھر عفت کی کوٹھری میں آ گئی، دیکھا تو بخار بہت تیز تھا، گھبرا گئی، اپنے کمرہ میں پہونچی، یاد آیا۔ بکس میں بخار اتارنے والی ایک ہومیوپیتھک دوا ہے۔ جلدی سے لائی، اور عفت کو کھلا دی پھر اپنے ہاتھوں سے اس کے تلوے سہلانے لگی۔ دوا نے اثر کیا۔ واقعی تھوڑی دیر میں بخار اتر گیا۔ عفت نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا لاجو اس کے

تکوے سہلا رہی ہے۔ وہ اٹھ بیٹھی، لاجونے اسے پھر لٹا دیا۔ اور بڑے پیار سے پوچھا،

"اب کیسی ہو عفت؟"

"وہ کمزور آواز میں بولی،

"اچھی ہوں بخار آگیا تھا،"

"لاجونے کہا۔

"ہاں میں نے دوا دی تب اترا!"

عفت نے پوچھا،

"تم کب آگئیں بہن؟"

وہ بولی۔

"آج ہی!"

پپڑی جمے ہوئے ہونٹ چاٹتے ہوئے کہا۔

"بڑی پیاس لگی ہے!"

"لاجو بجلی کی طرح اٹھی، اور ایک کٹورہ میں پانی لے آئی عفت نے پیا تو ذرا جان میں جان آئی، لاجونے پوچھا،

"کب سے بیمار ہو؟"

"تھوڑی دیر پہلے تک تو بالکل اچھی تھی، ابھی آگیا بخار!"

"لیکن کیوں"

عفت رونے لگی۔ لاجونے اسے گلے لگایا، اور اپنے ہاتھوں سے اس کے

آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"مت رو میں تیرے ہی لئے آئی ہوں؟

عفت کا دل ٹھہر گیا، اس نے رکتے رکتے کہا،

"تمہارے پاس بھی دعوت نامہ گیا تھا؟"

لاجونے پوچھا۔

"دعوت نامہ کیسا؟"

عفت بولی،

"آج تو بہت بڑا جشن ہے، بڑی دھوم دھام کی دعوت ہے ناچ گانا، قتل، بہت بڑا ناٹک ہوگا۔ بہت سے دوستوں کو سردار صاحب نے بلایا ہے۔ میری ساتھ والی کوٹھری نہیں دیکھی ابھی تک تم نے؟"

ندامت سے لاجو کے ماتھے پر پسینہ آگیا۔ شرمندگی کے لہجہ میں بولی

"دیکھ چکی ہوں بہن،!"

"تو اس لئے آئی ہو نا؟"

لاجو کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، بولی،

"نہیں،! مجھے ایسے پاپ کے کام سے کیا مطلب؟"

"پھر؟ کیسے آنا ہوا؟"

"صرف تجھے لینے"

"تم بھی مجھے نہ بچا سکو گی لاجو، آج میرا فیصلہ بھی ان لوگوں کے ساتھ ضرور ہوگا!"

لاجو سہم گئی۔

"یہ کیسے جانا تو نے؟"

"میں نے خود اپنے کانوں سے سنا!"

"کیا سنا، کچھ کہہ بھی تو؟"

"سردار جی سردارنی سے کہہ رہے تھے!"

"ہاں سچ؟ کیا کہہ رہے تھے؟"

"ہاں لاجو بہن! میں جھوٹ نہیں کہتی"

لاجو عفت کے لپٹ گئی، اور رونے لگی، عفت نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا،

"مرتے مرتے بھی لاجو بہن کی محبت اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی اس دنیا سے!"

لاجو نے بیقرار ہو کر کہا،

"یہ نہیں ہو سکتا!"

"کیا کرو گی تم؟"

"تو میرے ساتھ جائے گی!"

"سب کچھ ہو سکتا ہے، ایک یہی نہیں ہو سکتا!"

"کیوں؟"

"نہیں جانے دیں گے مجھے!"

"میں تو لے جاؤں گی تجھے!"

عفت خاموش ہو گئی، وہ بحث کرنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن اپنا انجام جانتی تھی اسے معلوم تھا۔ ان لڑکیوں کے ساتھ آج میرا بھی خاتمہ ضرور ہو گا۔ خود سردار صاحب کہہ رہے تھے۔ اپنی بیوی سے "صبح ہوتے ہوتے، سب کو ٹھکانے لگا دیں گے، آج ہی پروگرام بنا ہے ایک بھی بچنے نہ پائے ۱۳ کی ۱۳ ذبح کر ڈالی جائیں۔ ناچ گانے کے بعد، مرغی کی طرح!"

درحقیقت عفت کو بخار اسی دہشتناک خبر کے سننے سے چڑھا تھا، تھوڑی دیر کے بعد، لاجو آئی، عفت نے پوچھا،

"کہاں چلیں، کچھ دیر تو اور بیٹھو!"

وہ بڑے محبت بھرے لہجہ میں بولی،

"ابھی آتی ہوں!"

وہ اپنے کمرے میں گئی، رگھبیر کو بلوایا۔ اور جب وہ آیا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، رگھبیر گھبرا گیا۔

"کیا ہوا لاجو؟"

وہ اور زیادہ رونے لگی، رگھبیر نے پیار سے پوچھا،

"کچھ بتاؤ بھی تو!"

لاجو نے سسکیاں لے لے کر رو رو کر جو کچھ عفت سے سنا تھا، سب کچھ سنا دیا۔ اور کہا۔

"میں نہیں جانتی کچھ عفت کو لیکر چلو کسی طرح بھی!"

رگھبیر نے کچھ دیر سوچا، پھر کہا

"بڑا ٹیڑھا سوال پیدا ہو گیا ہے لاجو!"

لاجو بگڑ گئی،

"تو ہار مان لی تم نے؟"

"نہیں، بالکل نہیں!"

"تو کرو کچھ! یوں کیوں بیٹھے ہو؟"

"جاتا ہوں! اپنی کوشش ضرور کروں گا"

رگھبیر سنگھ، دلیپ سنگھ کے پاس جا کر بیٹھ گیا، سردارنی نے کہا،

"آج بڑے مزے کا تماشہ ہوگا، دیکھو گے؟"

"ضرور دیکھتا مگر آج کی رات ٹھہر نہ سکوں گا!"

دلیپ نے کھڑ بھڑا کر پوچھا!

"ارے بھائی یہ کیوں؟"

رگھبیر نے کہا۔

"بات یہ ہے کہ آج میرے گاؤں میں بھی ایسا ہی تماشہ ہے!"

بہت خوش ہوئے۔

"اچھا وہاں بھی ہے؟"

"جی ہاں!"

"تو بھائی ہم نہیں روک سکتے، گاؤں والوں کا حق بھی عزیزوں سے

کم نہیں ہوتا!"

رگھبیر نے کچھ دیر خاموش رہ کر کہا،

"لیکن میری عزت آپ کے ہاتھ ہے؟"

سنبھل بیٹھے،

"وہ کیسے؟"

"گاؤں کے ہر گھر کے ذمہ ایک مسلمان عورت آج کے تماشے کے لئے ڈالی گئی ہے۔ ۵۰ گھر ہیں ہمارے گاؤں میں اور پچاس عورتیں چاہئیں۔ تب تماشہ ہوگا!"

"تو؟"

"اور لوگ تو لے آئے، صرف میں ایک باقی بچا ہوں مجھے کہیں ملی نہیں لاجو نے کہا آپ کے ہاں کوئی مسلمان لڑکی ہے یہ سنتے ہی چل پڑا، وہ آپ دے دیں تو تعداد پوری ہو جائے، اور تماشہ رہے بڑے مزے کا!"

بڑی سخاوت کے ساتھ جواب دیا،

"ہاں ہے، لے جاؤ!"

پھر سردارنی سے بولے،

"عفت ان کے حوالے کر دو!"

سردارنی نے کہا۔

"دے دوں گی لے جانا! جاتے وقت!"

شام کو چار بجے کے قریب، لاجو اور رگھبیر عفت کو ساتھ لیکر اپنے گاؤں کی طرف چل دیئے۔ سردارنی کو شک تو ہوا۔ لیکن وہ خاموش ہوگئیں بہن اور بہنوئی کا معاملہ تھا، بات بڑھانی مناسب نہ تھی۔

راستے میں لاجو نے بڑے فخریہ لہجہ میں عفت سے کہا،

"کیوں میں نہ کہتی تھی، تم میرے ساتھ جاؤ گی!"

عفت نے ممنون نگاہوں سے اسے دیکھا اور کہا۔

"بڑی اچھی ہو تم لاجو کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں؟"

لاجو نے کہا،

"اب مجھے شرمندہ نہ کرو ——— کیا کہوں بہن میرا بس چلتا تو جو دوسری لڑکیاں وہاں رہ گئی ہیں انہیں بھی اپنے ساتھ لے آتی۔ لیکن اگران کے لئے ذرا بھی زبان میں کھولتی تو بھانڈا پھوٹ جاتا۔ اور تم میرے ہاتھ سے نکل جاتیں، پھر میں کیا کرتی؟"

عفت لاجو کی اس محبت اور عنایت سے بہت متاثر ہوئی اور کہنے لگی۔

"جب تک زندہ ہوں تمہارے گن گاؤں گی!"

وہ بولی،

"پھر وہی باتیں! پھر ہم خفا ہو جائیں گے!"

عفت خاموش ہوگئی گاڑی چلتی رہی، امرت سر قریب ہوتا گیا، گاؤں قریب آ گیا۔ راستے بھر عفت یہی سوچتی رہی۔ خالدہ کا کیا حشر ہوگا!

عائشہ کی کیا درگت بنے گی؟ دوسری لڑکیوں کی آبرو کس طرح لٹے گی! اسے اپنے زندہ رہنے پر شرم آنے لگی۔ اس کا جی چاہا گاڑی سے چھلانگ پڑے اور واپس چلی جائے۔ اس بچ جانے پر وہ اپنے تئیں، عائشہ اور دوسری مسلمان لڑکیوں کا غدار، اور مجرم سمجھنے لگی، اسے کیا حق تھا کہ وہ انہیں موت کے منہ میں چھوڑ کر خود زندہ رہتی، لیکن وہ ایسی ہولناک موت مرتے ہوئے ڈرتی تھی، مرنا چاہتی تھی، لیکن مر نہیں پاتی تھی، اسے جگندر بھی بہت یاد آ رہا تھا۔ لیکن جس طرح انور چھٹ گیا، جگندر بھی بچھڑ گیا۔ جگندر سہی جگندر بھی بڑا پیارا بچہ تھا۔ لیکن جگندر تو نہ تھا۔ اور جگندر جگندر کب تھا۔ وہ تو انور تھا، انور! ہائے اب انور کو کبھی نہ دیکھ سکو گی؟

اور عین اس وقت جب، رات کو لاجو بیٹھی عفت سے میٹھی میٹھی باتیں کر رہی تھی، سردار دلیپ سنگھ اپنے دوستوں کے جمگھٹ میں بیٹھے ہاتھ برہنہ لڑکیوں کا ناچ دیکھ رہے تھے۔ وہ بہت مچلیں، تڑپیں، لیکن لاتوں گھونسوں، اور مضبوط ہاتھوں نے کسی کی ایک نہ چلنے دی سب کو ننگا ہونا پڑا۔ ایک عائشہ تھی۔ جس نے بغیر کسی مزاحمت کے حکم ملتے ہی ایک ایک کر کے سارے کپڑے اتار دیئے۔ وہ ناچنا نہیں جانتی تھی لیکن اشارہ پاتے ہی ناچنے لگی۔ گانا اچھا جانتی تھی، گائی بھی خوب، نہ آنکھ میں آنسو، نہ لبوں پر تھرتھراہٹ بڑی دیر تک یہ رنگ رلیاں ہوتی رہیں۔ سردار صاحبان کھلی ہوئی کرپانیں رکھے یہ دلچسپ تماشہ دیکھ رہے تھے، کرپانیں کھلی ہوئی اس لئے تھیں کہ ابھی ان سے قتل کا کام لیا جانے والا تھا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت گئی ناچ گانے کا دور مدھم پڑا، شراب کا نشہ اور تیز ہو گیا اب ہم آغوشی کا پروگرام بنا اور طے ہوا کہ اس کے بعد ان کے اعضا کاٹے جائیں اور انہیں قتل کیا جائے، عائشہ اور خالدہ نے لپک کر وہ کرپانیں اٹھالیں، انکی دیکھا دیکھی ناظمہ اور سائرہ نے بھی کرپانیں چھینیں اور شپا شپ چلنے لگیں، قبل اس کے کہ حاضرین یہ سمجھ سکیں "یہ کیا ہوا؟" ۸ مسلمان لڑکیوں کی گردن تن سے جدا ہو چکی تھی، اب سردار دلیپ سنگھ اور ان کے دوسرے ساتھیوں کی سمجھ میں واقعہ آیا۔ وہ اپنی اپنی کرپانیں لے کر تیزی کے ساتھ جھپٹے، لیکن جب تک وہ پہونچیں، پہونچیں، عائشہ خالدہ، ناظمہ اور سائرہ بھی اپنے سینہ میں کرپانیں پیوست کر چکی تھیں،

سردار صاحب اور ان کے ساتھیوں نے اب تک سینکڑوں مسلمان عورتوں کا دامانیارا کیا تھا، لیکن ایسا عجیب و غریب ناٹک انھوں نے کبھی نہ دیکھا تھا، عائشہ پر ان کی للچائی ہوئی نظر بری طرح پڑ رہی تھی، انھوں نے دل ہی دل میں سوچا تھا وہ عائشہ کو چند روز اور زندہ رہنے کا موقع دیں گے تاکہ دل کی حسرت آسانی کے ساتھ، اطمینان کے ساتھ نکال سکیں لیکن اب ان کی آنکھوں کے سامنے عائشہ کے بجائے اس کی تڑپتی ہوئی لاش پڑی تھی، بڑا غصہ آیا، لیکن کر کیا سکتے تھے، لے کے کرپان قیمہ قیمہ کر ڈالا اس کا۔ اور ان کی دیکھا دیکھی، دوسرے ساتھیوں نے بھی باقی لڑکیوں کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیے،

پرتاپ نے جل کر کہا۔

"کیسا رنگ میں بھنگ ہوا ہے آج!"

دلیپ سنگھ بولے۔

"ہاں پہلی مرتبہ —— لیکن کوئی حرج نہیں مسلمان عورتیں ابھی بہت ملیں گی، یہ بچ گئیں تو کیا ہوا۔ دو چار روز میں سنا ہے ایک بہت بڑا قافلہ ادھر سے گذرنے والا ہے۔ چند دن ٹھہرو نئی کھیپ آئے گی۔ پھر آج کی کسر نکال لیں گے۔"

پرتاپ نے شراب کا ایک جام چڑھاتے ہوئے کہا۔

"اچھا"

اور جھومتا ہوا، اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔

مجلس برخاست!

(۷)

لڑائی

اللہ وتا کی باتوں نے مولا کی آنکھیں بھی کھول دی تھیں اور کان بھی! اب تک وہ دلجیت کور کو ہوس بھری نظروں سے دیکھتا تھا۔ اسے خراب کرنے کی امنگ اس کے سینے میں مچلا کرتی تھی، لیکن اب وہ بالکل بدل گیا تھا۔

دلجیت کور کی بے زبانی، خاموشی سپردگی، اور سوگواری نے مولا کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ پہلے واقعی وہ اسے اپنی مسلمان بہنوں کی بڑی اور جوش انتقام میں بے آبرو کرنے پر تلا ہوا تھا، لیکن اب وہ اس سے محبت کرنے لگا تھا۔ اسکی عزت کرنے لگا تھا۔ وہ اب بھی دلجیت کور کو اپنانا چاہتا تھا۔ اس پر قبضہ کرنا چاہتا تھا لیکن مخالفانہ اور غاصبانہ نہیں۔ پہلے وہ سر جھکا کر دلجیت کور کے سامنے آتا تھا۔ اسے دیکھکر مسکرانے لگتا تھا۔ آنکھوں سے اشارے

کرتا تھا۔ موقع ملتا تھا تو ایک آدھ چٹکی بھی لے لیتا تھا۔ اب وہ اس کے سامنے آتا ہوا جھینپتا تھا، اسے دیکھ کر راستہ کترا جاتا تھا۔ ایک روز چودھری اللہ وتا کسی دوسرے قریبی گاؤں گئے ہوئے تھے، ماں کی طبیعت خراب تھی۔ وہ کسی پڑوسی سے دوا علاج کے سلسلہ میں مشورہ کرنے گئی تھی دوپہر کو حسب معمول باہر سے مولا گھر آیا بھوک سے بے حال ہو رہا تھا گھر میں آکر اس نے دیکھا نہ باپ ہے نہ ماں، صرف دلجیت کور برآمدہ میں ایک چارپائی پر بیٹھی کچھ سی رہی ہے، کوئی اور دن ہوتا تو بنا موقعہ پاکر وہ خوشی سے دیوانہ ہو جاتا دلجیت کور کو گود میں بھر کر سارے گھر میں ناچتا ناچا پھرتا، دل کی ساری حسرتیں اس تھوڑی دیر میں پوری کر لیتا لیکن آج وہ دلجیت کور کو تنہا پاکر گھبرا گیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس کے پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ اس کی آواز میں ایک عجیب قسم کا ارتعاش پیدا ہو گیا۔ دلجیت کور اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔ مولا نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا،

"دلجیت تم اکیلی ہو؟"

وہ سر جھکا کر بولی،

"جی"

"ابا کہاں گئے؟"

"کسی کام سے پاس کے گاؤں گئے ہیں!"

"اماں؟"

"وہ پڑوس میں ایک کام سے گئی ہیں!"

مولا چپ ہو گیا، اور خاموش کھڑا رہا۔ دلجیت کور نے کہا۔

"کہہ گئی تھیں، آپ آئیں، تو کھانا کھلا دوں، بیٹھئے میں ابھی لائی!"

مولا الٹے قدم واپس جانے لگا، اس نے کہا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے!"

دلجیت مولا کی بے بسی محسوس کر رہی تھی، اور اسے اس پر ترس بھی آ رہا تھا، لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اب وہ کیا کہے مولا کو کس طرح بٹھائے؟ کھانے پر کس طرح مجبور کرے؟

مولا نے کہا،

"بیٹھو کھڑی کیوں ہو؟"

وہ اپنی جگہ بیٹھ گئی، اور اس نے پوچھا،

"آپ؟ ——— آپ تو کھڑے ہوئے ہیں؟"

"ہاں میں ذرا باہر جا رہا ہوں!"

رکتے رکتے دلجیت نے کہا،

"کھانا تو کھا لیتے!———"

مولا نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور کہا،

"نہیں! ——— بھوک نہیں ہے"

دلجیت کور نے سر جھکائے جھکائے کہا۔

"اس دھوپ میں کہاں جائیے گا؟"

مولا جاتے جاتے رکا،

"کہیں بھی گذار دوں گا، یہ وقت ——— لیکن یہاں نہیں ٹھہر سکتا!"

وہ بولی،

"کیوں؟ ——— بھلا اس وقت کہاں جائیے گا؟"

مولا نے کہا۔

"تمہاری عزت کا سوال ہے! ——— اکیلا تمہارے ساتھ گھر میں کس طرح بیٹھوں؟"

دلجیت کور اب بولنے لگی تھی،

"دل پاک ہو تو اکیلے بیٹھنے میں کیا کوئی حرج ہے؟"

مولا نے کہا۔

"ہاں ٹھیک کہتی ہو، میرا دل تمہارے آنسوؤں نے، اور باپ کی نصیحت نے پاک کر دیا ہے۔ پھر بھی نہیں بیٹھ سکتا، نہیں بیٹھ سکتا!"

"کیوں یہی تو پوچھتی ہوں؟"

"دوسروں کے دل پاک نہیں ہیں!"

اور وہ بھوکا پیاسا چلا گیا۔ دلجیت کور کی آنکھیں نہ جانے کیوں بہ نکلیں۔

مولا باہر نکلا سر جھکائے چلا جا رہا تھا کہ اللہ دتا دوسری طرف سے آ گیا۔ اس نے مولا کو دیکھ لیا۔ مولا اسے نہ دیکھ سکا

اللہ دتا گھر پہونچا۔ تو اس نے دیکھا کہ دلجیت کور کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ معاً اسے خیال آیا۔ موقع پاکر مولا کچھ شرارت کرکے گیا ہے۔ اس نے گرجدار آواز میں پوچھا،

"کیا ہوا بیٹی ؟"

دلجیت کور جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی، اس نے پلّو سے آنسو پونچھے، اور کہا،

"کچھ بھی نہیں ! بابا، ہوتا کیا ؟"

"تو رو کیوں رہی ہے ؟"

"کبھی کبھی آجاتا ہے رونا !"

اللہ دتا کو یقین ہوگیا، ضرور مولا نے، چھیڑ چھاڑ کی ہے، اس نے غصّہ بھری آواز میں پوچھا،

"مولا یہاں آیا تھا ؟"

وہ بولی،

"ہاں آئے تو تھے ابھی تھوڑی دیر ہوئی"

"پھر؟ پھر کیا ہوا ؟ سچ سچ بتا"

"کچھ نہیں ہوا بابا"

"نہیں تو چھپاتی ہے !"

پھر کہا،

"اس نے ضرور کچھ شرارت کی ہے، میں اسے برداشت نہیں

کرسکتا، آج یا وہ نہیں یا میں نہیں، ——————"

دلجیت کور بات کاٹ کر بولی،

"انھیں کچھ نہ کہئے ! بابا"

"کیوں نہ کہوں ؟"

"وہ بڑے اچھے بڑے نیک ہیں !"

اللہ دتا مدھم پڑ گئے،

"یہ تو نے کیسے جانا ؟"

"میں نے انھیں پہچان لیا، وہ آپ کے بیٹے ہیں، اور آپ کا بیٹا بُرا نہیں ہوسکتا۔ پاپی نہیں بن سکتا، وہ آئے بھوک سے بے حال ہو رہے تھے۔ لیکن مجھے اکیلا دیکھ کر بیٹھے بھی نہیں، ایک لقمہ بھی نہیں کھایا، اور واپس چلے گئے، میں روکتی ہی رہ گئی !"

اللہ دتا کا سینہ فخر سے پھول گیا،

"سچ ! —————— سچ کہتی ہے بیٹی ؟"

"جی بالکل سچ کہہ رہی ہوں"

"تو اب وہ سنبھل گیا ہے۔ کیوں دلجیت ؟"

"جی بالکل ———— جائیے انھیں بلا لائیے، اس دھوپ میں نہ جانے کہاں سر چھپائیں گے، کھانا بھی تو نہیں کھایا انھوں نے"

اللہ دتا پسینہ میں شرابور ہو رہے تھے، کئی میل کا چکر کاٹ کر آئے تھے، لیکن جوش پدری سے بے قابو ہو گئے، دلجیت

کی فرمائش نہ ٹال سکے، کہنے لگے،

"اچھا جاتا ہوں!"

لٹھ سنبھالا، اور مولا کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، گھومتے گھامتے ایک باغ میں پہونچے، مولا اینٹ کا تکیہ بنائے چپ چاپ لیٹا تھا، اور نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔

اللہ دتا نے پکارا،

"مولا!——— بیٹے مولا!"

وہ گھبڑا کر اٹھ بیٹھا، اور بولا،

"جی! بابا! میں ادھر ہوں، یہاں"

"یہاں کیا کر رہا ہے؟"

"کچھ نہیں یونہی لیٹ گیا تھا ذرا"

"کھانا کھا لیا تو نے؟"

"ابھی تو نہیں!"

"گھر گیا تھا؟"

مولا کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ اس نے ایک مجرم کی طرح کہا،

"جی ہاں گیا تھا"

"پھر وہاں کیوں نہیں بیٹھا؟ لوٹ کیوں آیا؟"

مولا نے سر جھکائے جھکائے کہا،

"دلجیت اکیلی تھی، نہ آپ تھے، نہ اماں!"

"اس لئے تو چلا آیا؟"

مولا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، وہ خاموش ہو گیا۔ بوڑھے باپ نے نوجوان بیٹے کو گلے سے لگا لیا۔ اپنے جھریوں پڑے ہاتھوں سے اس کی پیٹھ تھپ تھپائی اور بڑی شفقت سے کہا۔

"چل کھانا کھا لے، میں بھی بھوکا ہوں!"

باپ آگے آگے، اور بیٹا پیچھے پیچھے، دونوں گھر پہونچے دلجیت کا رنگ مولا کو دیکھتے ہی خوشی سے بدل گیا۔ اس نے اللہ دتا سے پوچھا،

"آ گئے آپ؟ لے آئے آپ؟"

محبت بھری نظروں سے دیکھ کر بولے

"ہاں بیٹا!——— آ گیا، لے آیا"

"کھانا لاؤں؟"

"لاؤ بہت بھوکا ہوں"

باپ بیٹے اسی چارپائی پر سرہانے اور پائنتی بیٹھ گئے جس پر دلجیت بیٹھی تھی، دلجیت کور باورچی خانے گئی اور کھانا لا کر دونوں کے سامنے رکھ دیا۔ دونوں بڑے شوق اور رغبت سے کھانے لگے۔ دلجیت کور پاس بیٹھکر مکھیاں اڑانے لگی، وہ اللہ دتا کو اسی نظر سے دیکھ رہی تھی جس نظر سے ایک محبت کرنے والی بیٹی، ایک محبت

کرنے والے باپ کو دیکھتی ہے۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اٹھے اور اپنے باپ کے پاس جاکر بیٹھ جائے، پھر اس کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کے رونے لگے۔ یہاں تک کہ دل کا بوجھ اتر جائے، گھر سے نکلنے کے بعد سے اب تک مقدر اور نصیب نے کیسے کیسے دن نہیں دکھلائے تھے، لیکن آج اب پہلی مرتبہ وہ اپنے زخموں کو بھرتا ہوا محسوس کر رہی تھی، پہلی مرتبہ اسے احساس ہو رہا تھا، کہ شفقت اور محبت میں بڑی طاقت ہوتی ہے اتنی بڑی طاقت کہ رستے ہوئے ناسوروں کو بھی ٹھیک کر سکتی ہے بہتے ہوئے زخموں کو بھی بھر سکتی ہے۔ ٹپکتے ہوئے آبلوں میں بھی ٹھنڈک ڈال سکتی ہے۔ شاید چودھری اللہ دتا نے دلجیت کور کی یہ کیفیت بھانپ لی، آخری لقمہ اطمینان سے چباتے ہوئے انھوں نے اسے ایک نظر دیکھا اور کہا۔

"کیا دیکھ رہی ہے بیٹا؟"

اس کی نظریں لاجونتی کی ننھی ننھی پتیوں کی طرح جھک گئیں، اور وہ آہستہ سے بولی۔

"کچھ نہیں بابا،"

اتنے میں مولا کی ماں آگئی، چودھری صاحب کو دلجیت سے مخاطب دیکھ کر اور مولا کی جھکی ہوئی گردن دیکھ کر اس کا دل پریشان ہوگیا۔ وہ سوچنے لگی کہیں میری عدم موجودگی میں کوئی بات تو نہیں

ہوگئی، اس نے چودھری صاحب سے مخاطب ہوئے بغیر مولا سے پوچھا؟

"کب آیا بیٹا؟"

اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا،

"بڑی دیر ہوئی ماں!"

ماں نے بیقرار ہو کر پوچھا،

"اور کھانا بھی کھایا تو نے میرے بچے؟"

"اور مولا نے جواب دیا"

"ہاں ابھی کھایا ہے، بابا کے ساتھ"

دلجیت برتن لے کر، دوسرے کمرہ میں جا چکی تھی، مولا بھی باہر چلا گیا، اس کے جانے کے بعد چودھری صاحب نے اپنی بوڑھی بیوی سے جوانوں کی سی ترنگ کے ساتھ مسکراتے ہوئے فرمایا۔

"دیکھ لیا تم نے؟"

بیچاری کا دل پھر دھک دھک کرنے لگا۔ بولیں،

"کیا ہوا؟

کوئی نئی بات؟

کہنے لگے،

"میں نہ کہتا تھا!"

بگڑ گئیں،

"آخر کچھ کہو بھی تو؟"

اور چودھری صاحب نے بڑے مزے لے لے کر آج کی ساری رام کہانی سنا ڈالی، اور پھر بڑے فخر کے ساتھ فرمایا،

"مولا کس کا لڑکا ہے جانتی ہو؟"

وہ بھی مسکرا دیں،

"میں کیا جانوں، تم بتاؤ؟"

سینہ تان کر بولے،

"اللہ دتا کا! چودھری اللہ دتا کا!!"

کچھ دیر خاموش رہ کر بولے،

"جوانی میں کون نہیں بھٹکتا، وہ بھی بھٹک گیا تھا، لیکن میری ایک بات نے اسے غلط راستے سے سیدھے راستے پر لگا دیا۔ شریف اور رذیل کی یہی پہچان ہے!"

اللہ دتا کو خوش دیکھ کر، پانی پھر مرتا ہوا نظر آیا، بولیں،

"میں تو چاہتی ہوں شادی ہو جائے دونوں کی!"

بڑی بھلمنساہت کے ساتھ بولے،

"دلجیت جس گھر میں بھی جائے گی وہاں کی روشنی بن کر رہے گی، جس کی بہو بنے گی، اس کی گردن فخر سے اونچی کر دے گی، لیکن پہلے بھی کہہ چکا ہوں، اور اب پھر کہتا ہوں، مولا اور دلجیت کے لئے میں یہ لفظ نہیں سننا چاہتا"

امیدوں کا قلعہ منہدم ہو گیا، بولیں،

"ہائے اللہ کیوں؟"

گرج کر بولے،

"اس لئے کہ میں دلجیت کو بیٹی کی طرح چاہتا ہوں، اور اس پر ظلم ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ سب سے پہلے میری کوشش یہ ہو گی کہ وہ اپنے گھر بہو بیاہ جائے، اور اگر اس میں ناکامی ہوئی تو پھر وہ اپنا راستہ خود منتخب کرنے کی مختار ہے، میں نہ مداخلت کروں گا، نہ حکم دوں گا، نہ مجبور کروں گا،

"یہ کیوں؟ یہ تو عجیب بات ہے؟"

"وہ اگر مسلمان ہوتی تو میں سب کچھ کر سکتا تھا۔ لیکن وہ ایک غیر مذہب کی لڑکی ہے، اور میں اسے گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کا مذہب بدلا جائے، یا اس کی مرضی کے بغیر اس کی شادی کسی سے کر دی جائے چاہے وہ میرا لڑکا ہی کیوں نہ ہو!"

اتنے میں کسی کام سے دلجیت آ گئی، چودھری صاحب نے اپنا انگوچھا سنبھالا اور باہر چلے گئے، وہاں مولا بیٹھا تھا اس کے پاس بیٹھ کر حقہ پینے لگے، مولا بدستور خاموش تھا، باپ نے بیٹے سے کہا،

"مولا بیٹا!"

"جی فرمائیے!"

"تمہاری ماں نہیں مانتی وہ میری سفید داڑھی میں کالک لگانے پر تل گئی ہے!"

مولا کسی گہری فکر میں کھویا ہوا تھا، لیکن باپ کی آواز سنکر چونکا

"کیا ہوا بابا؟"

"وہ کہتی ہے دلجیت اور مولا کی شادی کر دو، بیٹا تم ہی سوچو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

مولا نے بڑے ادب کے ساتھ جواب دیا

"ہاں بابا میں جانتا ہوں، یہ نہیں ہو سکتا، یہ نہیں ہونا چاہئے! سوکھے کھیت میں پانی پڑ گیا، چودھری صاحب کھل اٹھے خوش ہو کر بولے!

"شاباش بیٹا تم سے مجھے یہی امید تھی، یہ بڑا نازک وقت ہے۔ یہ قوم، وطن اور ملک کا امتحان نہیں ہے، مذہب کا امتحان ہے، اسلام کا امتحان ہے، اس امتحان میں ہمارے بچے اور آخری دین کو کامیاب ہونا چاہئے، میں دیکھتا ہوں، میں جانتا ہوں، اس وقت مسلمان جوش سے بھرے ہوئے ہیں۔ وہ نہیں سوچتے، اسلام نے کیا کہا ہے، اسلام کا کیا حکم ہے، وہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ سکھ، ہماری تو لڑکیوں کو بے آبرو کرنے لے گئے تو ہم بھی کسی طرح سو نہیں تو پچاس سکھنیوں کو اپنے قبضہ میں لے کر بے آبرو کر دیں، ہندو اگر ہماری پچاس لڑکیوں کو چھین لے گئے تو ہم بھی پچاس نہیں تو پچیس

ہی ہندو لڑکیوں کا اغوا کریں۔ اور انھیں کہیں کا نہ رکھیں، حالانکہ ہمارا اسلام، اس انتقام سے کہیں بالاتر ہے، وہ تو کھری اور صاف بات کہتا ہے، اگر مرد ہو تو کفن سے لپیٹو، اور مشرقی پنجاب میں گھس جاؤ وہاں جا کر یا تو مر جاؤ، ورنہ اپنی بہو بیٹیوں کو چھین لاؤ، لیکن نہ یہاں رہ کر، نہ وہاں جا کر کسی حالت میں بھی تم کسی ہندو یا سکھ عورت کو خراب نہیں کر سکتے، مرد کا بدلہ عورت سے نہیں لیا جا سکتا گنہ گار کا انتقام بے گناہ سے نہیں لیا جا سکتا!"

چودھری صاحب اس وقت بڑے جوش میں تھے، لیکن مولا نے مداخلت کر کے ان کا جوش ٹھنڈا کر دیا، اس نے کہا،

"بابا میں سمجھ گیا، آپ کیا چاہتے ہیں۔ میں آپ کا بیٹا ہوں تو آپ کی سفید داڑھی پر کالک نہیں لگنے دوں گا۔ میں اگر آپ کا نام اونچا نہیں کر سکتا تو اسے رسوا بھی نہیں ہونے دوں گا۔ اطمینان رکھئے!"

چودھری نے پوچھا،

"تو دلجیت کور کا خیال تم نے دل سے نکال دیا؟"

زندگی میں پہلی مرتبہ مولا نے آنکھیں نیچی کر کے باپ سے صاف صاف اور دو ٹوک باتیں کیں،

"وہ تو جان کے ساتھ ہے!"

اپنے بے زبان بیٹے کی یہ بات سنکر بوڑھے چودھری کا

دل دھڑکنے لگا، خدا خیر کرے، اس نے بغیر کسی درشتی کے پوچھا،

"کیا کہہ رہے ہو مولا؟"

"بابا یہ خیال تو دل سے نہیں نکل سکتا، یہ میرے بس میں نہیں، کیا کروں، مجبور ہوں، دل پر زور کس کا چلتا ہے البتہ میرے بس میں یہ ہے کہ دلجیت کے قریب نہ پھٹکوں اس گھر میں نہ رہوں، جس میں وہ رہتی ہے!" چودھری پر بجلی گر پڑی،

"بیٹا بیٹا یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

وہ ایک بے خودی کے ساتھ بولا

"سچ کہہ رہا ہوں، بابا، میں اب اس گھر میں نہیں رہوں گا، یہاں رہوں گا تو مجھے ڈر ہے کہیں میرا پاؤں نہ پھسل جائے، کہیں میرے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو دلجیت کو بری لگے، اور آپ کو غصہ آ جائے۔ مجھے جانے دیجئے"

اب چودھری وہ چودھری نہیں تھا، جو ابھی کچھ دیر پہلے تھا پہلے وہ پتھر کی طرح سخت تھا، اب ریشم کی طرح ملائم، انس نے بڑی نرمی اور آشتی سے پوچھا،

"کہاں جاؤ گے۔ میرے بچے؟"

"بتا دوں بابا؟ آپ پھر روکیں گے تو نہیں مجھے؟ اجازت دے دیں گے؟"

باپ نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بیٹے سے کہا،

"بتاؤ! میں تمہارے راستے کا پتھر نہیں بنوں گا، وعدہ کرتا ہوں"

مولا نے کہا،

"آپ نے مجاہد فوج کا نام تو سنا ہوگا؟"

"ہاں وہی جو سکھوں کے علاقے میں چھاپے مار رہی ہے ظالموں سے لڑ رہی ہے، اور مظلوم مسلمان لڑکیوں، عورتوں اور بچوں کو ان سے نجات دلا رہی ہے؟"

"جی ہاں وہی!"

"پھر؟ ——— تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں اس فوج کا ایک ادنیٰ سپاہی بنوں گا"

ان الفاظ میں ایسا عزم جھلک رہا تھا کہ بوڑھا چودھری اسکی تاب نہ لا سکا، سپر ڈالتے ہی بنی،

"تم وہاں جاؤ گے بیٹا؟"

"ہاں، وہاں، کفن سے لپٹ کر! وہاں جا کر یا تو اپنی جان دے دوں گا، یا ان مظلوموں کو بچا لوں گا جنھیں خدا نے بھی چھوڑ دیا ہے!"

چودھری نے دانتوں تلے انگلی دباتے ہوئے کہا،

"کفن نہیں بکتے بیٹا، خدا کی مرضی کے بغیر پتا نہیں ہل سکتا،

وہ جو چاہے کرے، اس کی مصلحت کون سمجھ سکتا ہے؟ یہ جو کچھ ہو رہا ہے ہمارے گناہوں کی سزا مل رہی ہے!"

مولا نے بگڑے ہوئے تیوروں سے کہا،

"خدا نے سکھوں اور ہندوؤں کو سزا دینے کے لئے کیوں منتخب کیا؟ کیا وہ خود سزا نہیں دے سکتا تھا، کوئی طوفان یا بیماری کا زلزلہ بھیج دیتا، سیلاب آجاتا، بجلی گر پڑتی، قیامت آجاتی، لیکن سزا دینے کے لئے وہ جانور منتخب کئے گئے ہیں، جنہوں نے بچوں کو پاؤں تلے بے رحمی سے روند ڈالا جنہوں نے پاک دامن لڑکیوں اور عورتوں کو بے آبرو کر ڈالا جنہوں نے مکانوں اور کھیتوں میں آگ لگادی، یہ سزا ہے؟ یہ انصاف ہے، بابا تم جانو، اور تمہارا خدا جانے، مجھے میرا کام کرنے دو!"

چودھری کو غصہ آگیا، بھلا خدا کی توہین، وہ کس طرح برداشت کر سکتا تھا، اس نے اپنے گستاخ بیٹے کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ لگایا، اور کہا،

"جب تو مسلمان نہیں ہے؟ تو مسلمانوں کا ہمدرد کیوں ہے؟ ان کے لئے لڑنا مرنا کیوں چاہتا ہے؟ مسلمان خدا پرست ہی تو ہیں!"

مولا نے چپ چاپ طمانچہ کھالیا، لیکن اس کی زبان بند نہیں ہوئی،

میں صرف انسان ہوں، انسان کا انسان پر ظلم نہیں دیکھ سکتا!"

چودھری کا غصہ بدستور قائم تھا،

"انسان کا بچہ! — اتنا بڑا انسان کا پجاری ہے تو پھر پہلے خود اپنے پاکستان میں جہاد کیوں نہیں کرتا!"

"یہاں کس سے جہاد کروں؟"

"یہ سکھ اور ہندو لڑکیاں، جو یہاں ہیں کیا یہ انسان نہیں ہیں؟ خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے، پہلے انہیں بچا، پھر مشرقی پنجاب کا رخ کر!"

"لیکن یہاں بہت کم ہیں! اور وہاں بچپاس ہزار کے قریب!"

"تعداد سے بحث نہیں، ہیں تو! کیوں ہیں؟ پہلے ان کی خبر لے، پھر آگے بڑھ!"

مولا چل گیا،

"ان کے لئے آپ موجود ہیں — آپ اپنا کام کیجئے میں اپنا کام کروں گا!"

چودھری کی شان جلالی نقطۂ عروج پر پہونچ گئی،

"ابے الو کے پٹھے، ان کے لئے میں ہوں؟ — ہاں میں ہوں؟ نہ ہوتا، تو تو دھیت کو خراب کر چکا

ہوتا۔ اسی ناکامی کے غم میں بھاگ رہا ہے، بھگوڑا کہیں کا!"

آج نہ جانے مولا کو کیا ہو گیا تھا، جس نے کبھی باپ کی بات نہیں ٹالی تھی وہی آج پٹاخہ کی طرح پھٹ رہا تھا۔

اس نے کہا،

"ٹھیک ہے میں بہک گیا تھا، خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے مجھے سیدھے راستے پر لگا دیا!"

چودھری صاحب کو چوٹ کرنے کا موقع مل گیا،

"خدا کا شکر کیوں ادا کرتے ہو بیٹے، میرے ڈنڈے کا شکریہ ادا کرو، ورنہ تم تو اپنا کام کر چکے ہوتے!"

اب مولا کو بھی غصہ آ گیا،

"بابا مجھے زیادہ نہ چھیڑو!"

چودھری صاحب اٹھ کھڑے ہوئے،

"اور اگر چھیڑوں گا، تو تو کیا کرے گا؟ مارے گا مجھے؟ لڑے گا مجھ سے؟ اٹھا کیوں نہیں؟ بڑا مرد ہے تو آ جا سامنے یہ نہ سمجھنا بوڑھا ہوں، تیرا گلا گھونٹنے کے لئے میرے ہاتھوں میں ابھی دم ہے!"

مولا نے کہا۔

"کوئی اور یہ باتیں کرتا تو ضرور اس کا منہ توڑ جواب دیتا لیکن تم باپ ہو تم سے کیا کہوں؟"

چودھری کو اس سعادت میں بھی اپنی توہین نظر آئی اس نے کھڑے کھڑے، ایک ٹھوکر لگائی مولا کے، اور کہا،

"میں رعایت نہیں چاہتا، آپ میرے بڑھاپے پر رحم نہ کیجئے، اگر دل میں کوئی حسرت ہے تو نکال لیجئے،

مولا پھر خاموش ہو گیا، چودھری بھی خاموش ہو گیا لیکن زیادہ دیر تک خاموشی قائم نہ رکھ سکا، پھر چٹکیاں لینے لگا۔

"چلے ہیں بڈھا مجاہد بننے، یہ منہ اور مسور کی دال — ابے تو کیا مجاہد بنے گا۔ جس کی ایک غیر مسلم چھوکری پر نیت ڈانوا ڈول ہو گئی، مجاہد، جانتا ہے کون تھے، مجاہد وہ تھے جن کے سامنے بڑی بڑی شاہزادیاں گرفتار ہو کر آتی تھیں حسن کی مورتیں، لیکن انھوں نے نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ ایک آپ مجاہد ہیں۔ کہ ایک غریب اور بے بس اور تباہ و برباد غیر مسلم چھوکری ہاتھ آ گئی، اور لگے اس پر ڈورے ڈالنے!"

غصہ کے سبب، مولا کی آنکھیں سرخ ہو گئیں، اس نے چیخ کر کہا۔

"بابا، بابا!"

بے پروائی کے ساتھ بولے،

"کیا ہے بے! — لچا کہیں کا!"

مولانے پھر سمجھوتہ کرنا چاہا،

"دلجیت کا نام بار بار بیچ میں مت لاؤ، مجھے دکھ ہوتا ہے؛"

"دکھ ہوتا ہے ____ بے الو کے پٹھے، تیرے دکھ کے پیچھے میں حق بولنا چھوڑ دوں؟ آدمی بن آدمی، پھر مجاہد بننے کا خواب دیکھنا!"

مولا اٹھ کھڑا ہوا، باپ سے لڑنے کے لئے نہیں باپ کا گھر چھوڑنے کے لئے!

چودھری نے پوچھا،

"جاتا ہے؟ ____ بھاگ رہا ہے؟"

"ہاں جا رہا ہوں!"

"جہاد کرنے؟ ____"

مولانے کوئی جواب نہیں دیا، اور آگے بڑھا، چودھری نے کہا،

"جانے سے پہلے ایک بات سوچ لو!"

"کہئے!

سن رہا ہوں"

"اب مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں، اب اس گھر میں کبھی قدم نہ رکھنا، نہ آج سے تم میرے بیٹے نہ میں تمہارا باپ!"

مولانے کوئی جواب نہیں دیا، انگوچھا کاندھے پر رکھا

ڈنڈا ہاتھ میں لیا، اور خاموشی کے ساتھ چپ چاپ گھر سے نکل گیا، چودھری اسے اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔ پھر نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو بڑے بڑے اور گرم گرم قطرے گرے، جلدی سے اس نے اپنے آنسو پونچھے، اور چوپال میں چلا گیا۔ جہاں آج ان سات لڑکیوں کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ جو کسی دوسرے مقام سے گرفتار ہو کر آئی تھیں، اپنے گھر بار، ماں باپ اور بھائی بہن سے بچھڑ کر اور صرف اس لئے گرفتار ہوئی تھیں کہ یہ مسلمان نہیں تھیں، اور مسلمان عورتوں پر جو مظالم پنجاب کے دوسرے حصے میں ہو رہے تھے، ان کا بدلہ صرف اسی طرح لیا جا سکتا تھا کہ جو سکھ یا ہندو لڑکی مل جائے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو مسلمان لڑکیوں کے ساتھ ہندو اور سکھ روا رکھ رہے تھے لیکن یہاں اللہ دتا کا بول بالا تھا، بغیر اسکی مرضی کے کچھ نہیں ہو سکتا تھا، کسی طرح نہیں! اسی لئے وہ بلایا گیا تھا۔ وہ ایک جج کی طرح جا رہا تھا! وہی اکڑ، وہی شان،

---

(۸)

بہ ہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیداست

چند ماہ تک عفت، لاجو کے گھر میں بڑے اطمینان سے رہی ایسا معلوم ہوتا تھا، جہنم سے نکل کر جنت میں آگئی ہے، لیکن بہت جلد اس کے حالات نے پلٹا کھایا، اور وہ پھر ذلت اور مصیبت کے بھنور میں پھنس گئی، لاجو کا سلوک اس کے ساتھ بہت اچھا تھا رگھبیر سنگھ نے بھی اس کے ساتھ بہن کا سا برتاؤ کیا، لیکن سندر کور اور بلونت سنگھ کی آمد نے گھر کی فضا بالکل بدل دی، بلونت سنگھ

لائلپور کے ایک چک میں رہتا تھا، اور اپنے کنبہ سمیت خیریت کے ساتھ ٹرک میں بیٹھ کر پاکستان کی پولیس کے ساتھ رگھبیر کے گاؤں میں پہنچ گیا تھا، یہ رگھبیر کا دور کا رشتہ دار تھا، اور رگھبیر نے آغوش شوق کی طرح اپنے گھر کا دروازہ اس کیلئے کھول دیا، سندر کور اپنی آبرو لٹا کے، اور سب کچھ کھو کے، گرتی پڑتی، نہ جانے کہاں سے کہاں جا رہی تھی کہ رگھبیر کی نظر پڑی، اور اس نے اپنے گھر میں اسے بھی پناہ گزیں کی حیثیت سے رکھ لیا، پہلے سندر آئی، پھر بلونت، سندر اور عفت کی اچھی طرح نبھنے لگی تھی، دونوں کا معاملہ ایک ہی جیسا تھا، دونوں ایک دوسرے کے درد، اور مصیبت کو اچھی طرح سمجھتی تھیں سندر کا زیادہ وقت عفت کے پاس اور عفت کا زیادہ وقت سندر کے پاس گذرتا تھا، لیکن بلونت کی بیوی ایک آفت کی پڑیا تھی، وہ عفت سے بہت جلتی تھی، امرتسر کے دوران قیام میں اس نے مسلمان لڑکیوں، اور عورتوں کی جو درگت دیکھی تھی، ان کی آبرو کو تاراج ہوتے، اور ان کی جوانی کو لٹتے دیکھا تھا، اسے مزے لے کر ملکہ چیٹر چیٹر کر وہ عفت سے بیان کیا کرتی تھی، اور خوب ٹھٹھے لگاتی تھی، کبھی کبھی وہ مسلمان لڑکی بالکل حور معلوم ہوتی تھی، حور جیسے ابھی آسمان سے اتری ہو، چہرہ ایسا دمکتا ہوا کہ آنکھ نہیں ٹھہرتی تھی، لیکن جب —— پھر تفصیل کے ساتھ چٹخارے لے لے کر اس کی عریانی کی داستان، اس کی بے آبروئی کی کہانی، اسکی آہ و فریاد کی نقل کرکے

کہتی ——— پھر وہ پھول سا چہرہ لہولہان ہو کر کملا گیا، چلا بھی تو نہیں جاتا تھا، بی بتو سے ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئی تھیں، بات کرنا چاہتی تھی، لیکن آواز منہ سے نہیں نکلتی تھی، چہ چہ چہ ——— اور پھر وہ زور سے ہنسنے لگتی، اور عفت سے پوچھتی۔

"کیوں بہن تمہارے ساتھ بھی یہی ہوا ہوگا، ہیں؟"

عفت کے پاس اس تیر و نشتر کا جواب کیا تھا وہ خاموش ہو جاتی، اور بلونت کی بیوی پھر چھیڑتی،

"اونہہ یہ لو، شرما گئیں، تو یہ بتا دو گی تو کیا ہوگا، بولو نا!"

عفت کی آنکھ ڈبڈبا آتی۔ اور وہ پھر بھی خاموش رہتی مگر بلونت کی بیوی کو تو اسے چھیڑنے میں لطف آتا تھا، وہ پھر کہتی،

"کیسی بت بنی بیٹھی ہیں۔ جیسے نئی نویلی دلہن، انہی اداؤں نے تو رگھبیر کو لوٹ پوٹ کر رکھا ہے،"

اور عفت کی بڑی بڑی آنکھوں سے آنسوؤں کی برکھا شروع ہو جاتی، اور بلونت کی بیوی جل کر اٹھ کھڑی ہوتی،

"اے ہے یہ چونچلے، اپنے انہی کو دکھانا، رگھبیر کو! ——— اے ہاں!"

اور وہ اٹھکر چلی جاتی، کبھی اگر لاجو کا ادھر سے گزر ہوتا اور وہ عفت کو روتے دیکھ لیتی یا اس کے کان میں بلونت کی

بیوی کی کوئی بات پڑ جاتی تو وہ بڑی دیر تک عفت کو تسکین دیتی اور بلونت کی بیوی سے لڑتی، لیکن ہر وقت وہ کیسے عفت کی بپتا دیکھ سکتی تھی، اسے سارا گھر بھی تو سنبھالنا تھا، اور بھی تو بہت سے کام تھے۔ اور یہ سندر کو رشروع میں تو، عفت سے بڑی مل جل کر رہی، لیکن بلونت کی بیوی نے بے حیائی اور بے غیرتی کے طعنے دے دے کر اسے توڑ لیا تھا، وہ اس سے کہا کرتی تھی،

"دنیا میں میں نے بڑی بڑی بے غیرت اور بے حیا عورتیں دیکھ ڈالیں، رنڈیوں، اور طوائفوں کو بھی دیکھا، جن کے دیدہ کا پانی مر چکا ہوتا ہے، لیکن یہ تمہاری سندر بہن سب سے سندر نکلیں، بھلا اندھیر تو دیکھو، جس قوم کے مردوں نے ہماری سندر بہن کو نوچ کھایا، اسی قوم کی ایک عورت سے وہ پریت اور پریم کا سمبھاؤ رکھے ہوئے ہیں!"

سندر شروع شروع میں تو جواب دیتی رہی اور عفت کی پاسداری کرتی رہی، لیکن پانی کا دھارا بڑے بڑے مضبوط پتھروں میں بھی گڑھا ڈال دیتا ہے، بلونت کی بیوی کی باتیں آخر رنگ لائیں اور سندر، عفت سے الگ الگ رہنے لگی، بلکہ اب تو کبھی کبھی وہ بلونت کی بیوی کے ساتھ مل کر عفت کو طعنے دیا کرتی تھی وہ خود جس طرح اپنی آبرو کی پونجی لٹا بیٹھی تھی، اسے بھول

گئی تھی، صرف یہ یاد رہ گیا تھا کہ اس نے پاکستان سے ہندوستان آکر مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کا برقعہ پھٹے، کپڑے تار تار ہونے لمبے لمبے بال کٹے، چھاتیاں تراشے جانے، اور آخر کار بے آبرو ہونے اور مارے جانے کے کیسے کیسے دلچسپ تماشے دیکھے تھے، اور بلونت کی بیوی بھی اسے بھول گئی تھی کہ جس قوم کے مردوں اور نوجوانوں کی وہ چن چن کر برائیاں کر رہی تھی، اس قوم کے مردوں اور نوجوانوں نے اسے پناہ دی، موٹر میں بٹھایا، اور حفاظت و اطمینان کے ساتھ پاکستان کی سرحد سے ہندوستان کی سرحد میں پہونچا دیا، سردار دلیپ سنگھ کے ہاں، عفت کو جو زندگی گزارنا پڑتی تھی، اب اسے معلوم ہوتا تھا، وہ اس زندگی سے کہیں اچھی تھی، جو یہاں بسر کرنی پڑ رہی تھی، بلونت کی بیوی کے وار تو اس نے آسانی سے سہہ لئے، لیکن سُندر بھی ہاتھ سے نکل جائے گی، اس کا اسے وہم و گمان بھی نہیں تھا، یہ وہی تو تھی جسے دیکھ کر وہ اپنا غم بھول جاتی تھی، اس کا خیال تھا، سُندر کا بھی یہی حال ہوگا، دونوں ایک ہی صیاد کی شکار تھیں، کسی کو ہوس اور شیطنیت نے مسلمان بن کر خراب کیا تھا۔ کسی کو سکھ بن کر۔ لیکن وہی سُندر اب بلونت کی بیوی کے ساتھ بیٹھ کر گھنٹوں اور پہروں اس کا مذاق اڑاتی تھی،

ایک روز کہنے لگی، بلونت کی بیوی سے

"بہت دن ہو گئے کوئی تماشہ نہیں دیکھا؟"

بلونت کی بیوی ہنسی،

"دیکھو گی؟"

جی چاہتا ہے دیکھنے کو؟

سُندر بولی،

"ہاں جی تو چاہتا ہے، دکھاؤ گی؟"

بلونت کی بیوی نے کہا،

"دکھا دونگی، ذرا لاجو چلی جائے!"

لاجو اپنے شوہر کے ساتھ پاس کے گاؤں تک کسی تقریب میں شریک ہونے جا رہی تھی، رگھبیر بھی اس کے ساتھ جا رہا تھا جاتے وقت لاجو نے عفت سے کہا،

"گھبرانا نہیں میں شام تک آجاؤں گی!"

عفت خاموش ہو رہی، لاجو پھر بولی،

"دیکھ یہ سُندر اگر چھیڑے تو بالکل جواب نہ دینا چپ بیٹھی رہنا، بس دو چار دن کا معاملہ اور ہے۔ پھر یہ بلونت بھی چلا جائے گا۔ اور اس کی بیوی بھی، یہ دونوں اپنے ساتھ سُندر کو بھی لے جا رہے ہیں!"

عفت کی آنکھوں میں شکر گذاری کے آنسو آگئے، وہ بولی،

میں کسی بات کا برا نہیں مانتی، تم میرے ساتھ اچھی رہو، تو

ساری دنیا اچھی ہے!"

لاجو اور رگھبیر چلے گئے، ان کے جاتے کے کوئی آدھے گھنٹہ کے بعد سندر نے بلونت کی بیوی سے مسکراتے ہوئے کہا،

"لاجو بہن تو گئیں؟"

بلونت کی بیوی نے پوچھا،

"ہاں گئیں، پھر؟"

وہ مسکرائی،

"اور وہ تماشہ؟"

جواب ملا،

"واقعی دیکھو گی؟"

"ہاں ہاں، اور نہیں کیا!"

عفت یہ باتیں اس کان سن رہی تھی، اس کان اڑا رہی تھی اتنے میں بلونت سنگھ آگیا، اس وقت وہ بہت خوش تھا اس نے آتے ہی سندر سے پوچھا،

"لاجو گئی؟"

سندر نے کہا،

"ہاں گئی! ——— بڑی دیر ہوئی"

بلونت کی بیوی نے اپنے شوہر سے کہا،

"بڑی دیر کر دی؟"

"ابھی بہت وقت ہے!"

یہ کہکر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا، سندر اور بلونت کی بیوی میں کھسر پھسر ہونے لگی۔ عفت ان دونوں سے بے پروا، اپنے کام میں منشول تھی، کہ یکایک بلونت کی بیوی اس کے پاس آکر کھڑی ہو گئی، کمر پہ ہاتھ رکھ کر بولی۔

"کیا ہو رہا ہے۔ بیگم صاحبہ؟"

عفت نے سر اٹھا کر دیکھا، پھر جھکا لیا، اور بولی،

"کچھ نہیں جگندر کا کرتا سی رہی ہوں!"

"بڑی محبت ہے جگندر سے؟"

سندر بھی آگئی، بلونت کی بیوی کی طرف مخاطب ہو کر بولی،

"آج تو بہت گھل مل کر باتیں ہو رہی ہیں، دونوں میں!"

بلونت کی بیوی نے جواب دیا"

"واقعی بڑی نیک اور اچھی لڑکی ہے، یہ عفت بھی بیچاری نہ کسی سے لڑے نہ جھگڑے!"

سندر نے کہا،

اسی لئے تو میں نے اس سے بہنا پا کیا ہے، ایسی عورت میں نے دیکھی ہی نہیں!"

عفت کو حیرت تھی جن زبانوں سے انگاروں کی بارش ہوا کرتی تھی، ان سے آج پھول کیوں برس رہے ہیں، لیکن وہ بدستور

اپنے کام میں منہمک رہی، سندر اور بلونت کی بیوی پاس پاس عفت کے بالکل قریب بیٹھ گئیں، بلونت کی بیوی نے سر جھکایا، اور سندر اس کے جوں دیکھنے لگی، اتنے میں بلونت کے کمرے سے آواز آئی

"پانی تو لاؤ

بڑی پیاس لگی ہے۔"

بلونت کی بیوی نے کہا،

"ارے، کھانا دے آئی، پانی دینا بھول ہی گئی؛"

پھر وہ عفت سے مخاطب ہوئی، اور بڑے پیار کے لہجہ میں بولی۔

"بہن میرے ہاتھ ٹھیک نہیں، تم ذرا پانی دے آؤ، انھیں!"

عفت خاموشی کے ساتھ اٹھی، گلاس میں پانی بھرا، اور بلونت کے کمرے میں چلی گئی، گلاس دے کر واپس مڑی تھی، کہ باہر سے کسی نے دروازہ بند کر لیا؛ یہ بلونت کی بیوی تھی، اور پھر قہقہوں کی آواز آنے لگی، یہ سندر تھی! اور بلونت کی بیوی بھی پھیپھڑوں پر پورا زور دے کر اس کا ساتھ دے رہی تھی،

بلونت نے ایک زور دار قہقہہ لگایا، عفت کا چہرہ سفید پڑ گیا لیکن اس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا، اور بت کی طرح خاموش کھڑی ہو گئی،

بلونت نے کہا۔

"کھڑی کیوں ہو، آؤ؟"

وہ پاس آ کر بیٹھ گئی، بلونت نے کہا،

"اور قریب آؤ!"

وہ اور قریب آ گئی، بلونت نے حکم دیا،

"بالکل میرے پاس آ جاؤ؟"

وہ بلونت کے پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھ گئی، بلونت نے مسکراتے ہوئے کہا،

"شاباش بڑی تمیز دار ہو۔"

عفت نے کہا۔

"تو کیا آپ سمجھتے تھے میں انکار کروں گی"

"اندیشہ تو تھا"

شکر ہے غلط نکلا،

یہ کہتے کہتے، اس نے عفت کو اپنی آغوش کی زینت بنا لیا، بلونت آگ تھا، اور عفت برف کی سل، لیکن بعض لوگ برف کو بھی انگارہ سمجھ بیٹھتے ہیں، بلونت انہی بیوقوفوں میں تھا، اس نے عفت پر دراز دستی کرتے ہوئے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ کہا۔

"تم کتنی اچھی ہو!"

عفت نے کوئی جواب نہ دیا، لیکن کوئی مزاحمت بھی نہ کی،

بلونت اپنے حوصلے پورے کرتا رہا، ہوس کے تقاضے پورے کرتا رہا۔ اور عفت، یہ سارے ستم اس طرح سہتی رہی جیسے کوئی غیر معمولی بات ہی نہیں ہوئی ہے،

بلونت نے پہلے کھانا کھایا تھا، پھر عفت کو، جب دونوں سے طبیعت سیر ہو گئی تو اس نے عفت سے کہا۔

"تم اب جا سکتی ہو!"

عفت پلنگ سے اتری، اور باہر کی طرف چلی، بلونت نے کہا،

"سنتی ہو؟ ذرا سنو تو"

وہ چلتے چلتے ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی،

بلونت بولا،

"جب موقع ہو، اور میں بلاؤں تو آ جانا!"

اس نے جواب دیا۔

"آ جاؤں گی!"

پھر وہ آگے بڑھی، دروازہ کھولا تو کھل گیا، شائد بلونت کی بیوی اور سندر نے یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ اب شکار پھندے میں پھنس گیا، کنڈی کھول دی تھی،

وہ دوپٹہ سنبھالتی ہوئی جب باہر نکلی تو بلونت کی بیوی اور سندر نے اسے دیکھ کر ایک دوسری کو دیکھا اور بے ساختہ مسکرا دیئے، سندر نے کہا۔

"پاکستان زندہ باد!"

بلونت کی بیوی کھل کھلا پڑی، عفت چپ چاپ آ کر پھر جگندر کا کرتا سینے لگی، اس نے سندر اور بلونت کی بیوی سے کہا۔

"دھوکہ سے اندر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی، زبان سے کہہ دیتیں تو کیا میں نہ جاتی؟"

ان سیدھے سادھے لفظوں میں کچھ ایسا درد اور جادو تھا کہ بلونت کی بیوی کے حلق میں قہقہہ اٹک گیا۔ اور سندر کے مسکراتے ہوئے لب بند ہو گئے، دونوں جھینپ سی گئیں، خاموشی سی چھا گئی دونوں پر اور عفت نے سیتے سیتے نظریں نیچی کئے کئے بغیر کسی کو مخاطب کئے ہوئے کہا۔

"اگر یہ معلوم ہوتا کہ میں تماشہ بنوں گی تو اتنا انتظار نہ کراتی، سردار صاحب (بلونت سنگھ) کے آتے ہی ان سے کہہ دیتی کہ کھانا بعد میں کھائیے گا۔ پہلے میرا تماشہ میری بہنوں کو دکھا دیجئے"

سندر نے کوئی جواب نہ دیا۔ اٹھ کھڑی ہوئی اور بلونت کی بیوی سے بولی

"چلو چلیں ——— درد ہو رہا ہے سر میں،"

وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی، اور دونوں اپنے اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔

رات کو ۱۰ بجے تک لاجو، اور رگھبیر کے انتظار میں کھانا ٹھنڈا ہوتا رہا۔ سب ان دونوں کا انتظار کر رہے تھے، جب دس بج گئے تو بلونت نے اپنی بیوی سے کہا۔

"اب کیا آئیں گے، معلوم ہوتا ہے۔ روک لئے گئے۔ آج کی رات!"

سندر بولی،

"ہاں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے ——— کھانا لاؤں؟"

"ہاں لے آؤ، اور تم لوگ بھی کھا لو!"

بلونت اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اور سندر جا کر کھانے کا تھال اسے سامنے رکھ آئی، پھر اپنا، اور بلونت کی بیوی کا کھانا نکالنے لگی عفت اٹھی، اس نے گلاس میں پانی بھرا اور بلونت کے کمرے کی طرف چلی، بلونت کی بیوی نے اسے دیکھا، اور بولی،

"کہاں چلی؟ کہاں کا ارادہ ہے؟"

عفت نے جواب دیا،

"جاؤں پانی دے آؤں، پیاسے ہوں گے!"

وہ بولی،

"سندر دے آتی ہے؟"

وہی گلاس عفت نے لا کر بلونت کی بیوی کے سامنے رکھ دیا سندر نے کہا۔

"آؤ کھانا کھا لو؟"

وہ بولی،

"دن کو میں نے دیر سے کھایا تھا، ابھی ہضم نہیں ہوا رات گئے، بھوک لگی تو کھا لوں گی؟"

اور وہ اپنے کمرے میں چلی گئی، سندر اور بلونت کی بیوی نے ایک دوسری کو دیکھا، اور مجرم کی طرح آنکھیں نیچی کر لیں، وہ خود آپس میں آنکھ ملاتے ہوئے شرما رہی تھیں ضمیر جب تک بالکل نہیں مر جاتا اپنا کام کرتا رہتا ہے۔

رات کو دو بجے ایک کمرے سے ایک سایہ سا نکلتا ہوا دکھائی دیا، دبے پاؤں وہ صحن میں آیا، ایک لمحہ تک چوروں کی طرح اس نے ادھر ادھر دیکھ کر جائزہ لیا کہ سب سو رہے ہیں یا نہیں؟ پھر وہ آہستہ آہستہ قدم رکھتا ہوا باہر کے دروازے کی طرف آیا۔ اس نے بڑی آہستگی سے کنڈی کھولی باہر سر نکال کر جھانکا اور کابل کی طرح کالے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

یہ عفت تھی!

(۹)

پرانا قید خانہ

نہ جانے کس طرح ؟ لیکن کسی نہ کسی طرح عفت پھر اپنے پرانے قید خانے میں یعنی سردار دلیپ سنگھ کے مکان پر پہونچ گئی

پہلے پہل اس گھر میں داخل ہونے کے بعد عفت نے جو کچھ کیا تھا آج بھی وہی کیا۔ اس وقت بھی، سردار صاحب اپنی داڑھی

اور کیس کے سنگار میں مصروف تھے، سردارنی بڑے انہماک سے لسی تیار کر رہی تھیں، اور ننھا منا ہندر چارپائی پر لیٹا ہوا بے طرح دھاڑ دھاڑ کر رو رہا تھا، عفت نے دبے پاؤں گھر میں قدم رکھا۔ لپک کر اسے گود میں لیا، سینہ سے لگایا۔ اور بھینچ بھینچ کر پیار کرنے لگی، ہندر اس کی گود سے مانوس تھا۔ اس میں اس کے لئے بڑی آسودگی اور عافیت تھی، اس نشیمن میں پہونچتے ہی وہ پہلے تو یک لخت چپ ہوا پھر مسکرانے لگا۔ سردار اور سردارنی اپنے اپنے کام میں اتنے مصروف تھے کہ انھوں نے عفت کو آتے اور ہندر کو گود میں اٹھاتے ہوئے بالکل نہیں دیکھا، لیکن جب اس کا باجہ بند ہوا تو دونوں نے حیرت سے بیک وقت چارپائی کی طرف دیکھا اور دیکھ کر حیران رہ گئے کہ عفت پھر اس میں موجود تھی، اور ہندر اس کی گود میں کلیلیں کر رہا تھا۔

سردارنی نے کہا،

"ارے تو کب آئی ؟"

ساتھ ہی ساتھ سردار کے منہ سے نکلا،

"ارے یہ کیسے آگئی ؟"

لسی بنانے اور داڑھی کے آرائش کرنے کا کام ملتوی کر کے دونوں نے عفت کو گھیر لیا۔ اور کھڑے کھڑے سردار نے کہا،

rekhta

ارے تو زندہ ہے ؟"

سردارنی بولیں،

"گئی اس لئے تھی !"

اور عفت ان دونوں سے بے خبر، مہندر کو چومنے چاٹنے میں مصروف تھی، جیسے بکری جب دودھ چر کے گھر واپس آتی ہے تو آتے ہی اپنے نوزائیدہ بچہ کو بڑے ذوق شوق سے چاٹنے لگتی ہے۔

عفت پر جب سوالات کی بوچھاڑ میاں بیوی کی طرف سے شروع ہوئی تو اس نے کہا۔

"مہندر کے ساتھ رہ کر میں اپنا غم بھول جاتی ہوں۔ یہاں مرنا بھی مجھے خوشی سے منظور ہے، سردار صاحب، اب جب مسلمان لڑکیوں کو پکڑ کے لانا، اور انھیں قتل کرنا، تو مجھے بھی مار ڈالنا، تمہیں گرونانک کا واسطہ دیتی ہوں، مجھے زندہ نہ چھوڑنا، لیکن جب تک ایسا نہ ہو، مہندر کو مجھ سے نہ چھیننا!"

اور یہ کہتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، ذرا کے ذرا سردار کا دل پگھلا،

"اچھا اچھا، جا اپنی کوٹھری میں!"

وہ مہندر کو لئے ہوئے اپنی پہلے والی کوٹھری میں چلی گئی اس کوٹھری میں، کچھ پھٹے ہوئے برقعے، اٹکے ہوئے دوپٹے، تار تار

غرارے، پڑے ہوئے تھے، دیواروں پر اور فرش پر خون کے نشانات بھی موجود تھے، وہ سمجھ گئی، اس کی عدم موجودگی میں بھی مسلمان عورتوں، اور لڑکیوں کا کوئی قافلہ، اس گھر میں آ کر خاک و خون میں تڑپایا جا چکا ہے۔ وہ جلدی سے بالٹی میں پانی بھر لائی، اس نے فرش اور دیواروں کو خوب صاف کیا۔ پھٹے ہوئے کپڑے سینت کر دوسرے کمرے میں احتیاط سے رکھ آئی، مہندر اپنی دوست سے اتنے دنوں بعد ملا تھا۔ یہ وقتی جدائی بھی اس کی گوارہ نہ کر سکا۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کی آواز سنتے ہی عفت اپنا کام بند کر دیا۔ اور مہندر کو تھپکی دے دے کر بہلانے لگی، عفت کی گود میں پہونچتے ہی وہ پھر چپ ہو گیا جیسے بچہ سے کھلونا چھین لیا جائے تو وہ رونے لگتا ہے دیدیا جائے تو ہنسنے لگتا ہے عفت، مہندر کا کھلونا ہی تو تھی،

مہندر عفت کی گود میں آرام کی نیند سو گیا۔ اور عفت کا تخیل مہندر کو چھوڑ کر، انور کو تلاش کرنے چلا۔ چاروں اور ڈھونڈ آیا، مگر وہ یوسف گم گشتہ کہیں نہ ملا۔ وہ اس دنیا میں تھا کہاں جو ملتا؟ اور اس سے مایوس ہو کر وہ پھر مہندر کی طرف جھکی۔ اور اس کے معصوم گالوں کو پیار کرنے لگی۔ اس کا انور اسے مل گیا۔ کون کہتا ہے وہ مر گیا؟ مریں اس کے دشمن، وہ زندہ ہے یہ رہا میرے پاس، یہ میرا بچہ۔ بڑا ہو کر نام پیدا کرے گا۔

خوبصورت کتنا ہے؟ لاکھوں خوبصورت دوشیزائیں، اس پر اپنی جان نثار کرنا فخر سمجھیں گی۔ میرے انور کا کون مقابلہ کر سکتا ہے بھلا!

اتنے میں سردار جی تشریف لائیں، انھوں نے عفت سے پوچھا:

"مہندر سو گیا؟"

عفت نے چونک کر سردار جی کو دیکھا۔ پھر ایک نظر مہندر پر ڈالی اور بہت آہستہ سے بولی!

"جی سو گیا!"

---

(۱۰)

مولا

مولا گھر سے نکل کھڑا ہوا!

یکہ و تنہا!

اس کے قدم اٹھ رہے تھے، لیکن کس طرف! وہ راستہ چل رہا تھا، لیکن کونسا؟ وہ منزل کی سمت بڑھ رہا تھا، لیکن کس منزل کی سمت؟

یہ خود مولا کو بھی نہیں معلوم تھا!

باپ کے طعنوں نے، بوڑھے باپ کے جوان طعنوں نے اس کا دل چھلنی کر دیا تھا، اس میں غیرت کی آگ بھڑکا دی تھی۔ اس کے دل کو دھکتا ہوا تنور بنا دیا تھا۔ وہ چاہتا تھا۔ طوفان بن کر مشرقی پنجاب پہنچے سیلاب کی طرح امڈے اور ـــــــ اور ـــــــ آندھی کی طرح چھا جائے!

اس نے ناٹک دیکھے تھے، اس نے اسکول میں تاریخ کی کتابیں پڑھی تھیں، اس نے بڑے بڑے لیڈروں کی تقریریں سنی تھیں، بڑے بڑے علماء کا وعظ سنا تھا! وہ بار بار سوچتا تھا، یہ چنگیز خاں، ہلاکو خان، تیمور لنگ، نادر شاہ درانی، محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، احمد شاہ ابدالی جن کے اتنے بڑے بڑے کارنامے بتائے جاتے ہیں۔ کہیں جھوٹ کے طومار اور دروغ کے انبار تو نہیں؟

اگر نہیں، تو، اب دنیا بانجھ کیوں ہو گئی ہے؟ اب اس کی کوکھ سے کوئی چنگیز یا ہلاکو کیوں نہیں پیدا ہوتا۔ اب اس کی گود میں کوئی تیمور یا نادر کیوں نہیں مچلتا؟ اب اس کے دامن میں کوئی محمود غزنوی، کوئی شہاب الدین غوری کوئی احمد شاہ ابدالی، کیوں نہیں؟ ـــــــ

ـــــــ کیوں نہیں؟

لیکن یہ ہٹلر، یہ مسولینی، یہ فرانکو، یہ ٹوجو، کیا یہ سب بھی افسانہ تھے؟ کہانی تھے؟ ان کا وجود بھی صرف تخیل کا کرشمہ

تھا؟

یہ سوچتے سوچتے اس کے دماغ میں خیال آیا، نہیں، چنگیز سے لے کر ٹوجو تک سب کچھ حقیقت ہے، سب کچھ واقعہ ہے، سب کچھ سچائی ہے، یہ سب آسمان سے زمین پر اترے تھے ان سب نے انقلاب برپا کیا تھا۔ ان سب نے خون کی ندیاں بہائی تھیں، سر کاٹے تھے، اور نیزوں پر لٹکائے تھے۔ دنیا بانجھ نہیں ہے، ہمارے دیس کی سرزمین بانجھ ہے یہ بڑے بڑے فاتح اور سپہ سالار نہیں پیدا کر سکتی!

لیکن پاکستان و ہندوستان کے وہ ہزار ہا آدمی جنہوں نے عصمتوں کے باغ تاراج کئے، اور آبرو کے خزانے لوٹے اور معصوموں کے گلے کاٹے اور بے گناہوں کی زندگی نوچی کیا یہ ہٹلر سے اور مسولینی سے کم تھے؟

کم ہوں یا زیادہ ہوں، اچھے ہوں یا برے ہوں۔ مجھے اس سے بحث نہیں، مجھے اس سے بحث ہے، صرف اس سے کہ میں کیوں نہیں چنگیز، اور ہٹلر بن جاتا، کیا میں آدمی نہیں ہوں یا وہ آدمی نہیں تھے؟

وہ سوچنے لگا!

میں مشرقی پنجاب جانا چاہتا ہوں، وہاں سے ہر اس عورت کو واپس لے آنا چاہتا ہوں جو مسلمان ہے، مگر یہ

عصمتی کی زندگی بسر کر رہی ہے، اور ان تمام لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتا ہوں، جن کے ہاتھ بے بسوں اور بے کسوں کے خون سے رنگین ہیں؟ جنہوں نے اس عورت کو روند ڈالا جو آدم کی خالق ہے، جس کے پیٹ سے بڑے بڑے، نبی اور ولی، رشی اور منی، دیوتا اور اوتار پیدا ہوئے، وہ لوگ اپنے زندہ رہنے کا حق سوخت کر چکے ہیں۔ وہ اس قابل نہیں کہ زندہ رہیں انکی کم سے کم سزا یہی ہو سکتی ہے کہ ان کی گردن کاٹ ڈالی جائے، ان کے سینہ میں تیز اور چمکدار خنجر بھونک دیا جائے!

مولا کے دماغ میں یہی باتیں یکے بعد دیگرے آ رہی تھیں اور وہ تیز تیز ایک نامعلوم سمت کی طرف، ایک لامعلوم منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بڑھا چلا جا رہا تھا!——

مولا کی دماغی کیفیت اس وقت یہ تھی کہ وہ ہوش میں نہیں تھا جوش اور جذبہ سے، غم اور غصہ سے مدہوش ہو رہا تھا، وہ چاہتا تھا کہ اسے کوئی ہندو یا سکھ مل جائے تو وہ اپنی بہادری کا جوہر دکھائے اپنے دست و بازو کی قوت کا ثبوت دے۔ جھاڑیوں کو وہ سکھ سمجھ کر روندتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا، سنگریزوں کو وہ ہندو سمجھ کر ٹھوکر لگاتا، اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا، اپنے دل کی حسرت نکالنے، اپنی بہنوں کا انتقام لینے کے لئے وہ ہوا کی طرح اڑا چلا جا رہا تھا!

لیکن مشرقی پنجاب ابھی دور تھا!

ہت دور!

لیکن وہ دوری کے خیال سے بے پروا، فاصلے کے خیال سے ستغنی، برابر بگولے کی طرح چکر کھاتا آگے کی طرف بڑھ رہا ا!

اس طرح چلتے چلتے، سورج غروب ہو گیا!

پھر رات کا اندھیرا پھیلنے لگا۔

پھر تارے جگمگانے لگے

پھر چاند چمکنے لگا۔

پھر بادل کے ایک ٹکڑے نے چاند کو اپنی اوٹ میں لے لیا!

مگر، اب———وہ گرم سیر تھا، چلتے چلتے اس کے اؤں پھول گئے تھے، اس کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا آنے لگا تھا۔

وہ بھوکا تھا

وہ پیاسا تھا

وہ تھکا ہوا تھا،

سامنے ایک ندی لہریں لے رہی تھی۔ کنارے بیٹھ کر اس نے اتھ پاؤں دھوئے۔ منہ دھویا، کاندھے پر ایک انگوچھا لٹک ہا تھا۔ اس سے پونچھا،

اور پھر آگے بڑھا۔

لیکن اب ہمت جواب دے چکی تھی، پاؤں لڑکھڑا رہے تھے

اور سامنے ایک سفید قبہ سا نظر آیا، ذرا آگے بڑھا تو ایک ٹوٹی ہوئی پرانی سی مسجد دکھائی پڑی، اس نے سوچا رات یہیں گذارنی چاہئے، انگوچھے میں کچھ چنے بندھے ہوئے ہیں۔ انھیں کھا کر سو رہنا چاہئے، اور صبح پھر آگے بڑھنا چاہئے۔ اب راستہ بھی نہیں معلوم ہو سکتا صبح ہی معلوم ہوگا۔ میں کہاں تک آگیا؟ مجھے ابھی کتنی دور اور جانا ہے؟"

وہ مسجد میں پہونچا!

اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مسجد میں کچھ لوگ سفید چادر اوڑھے بیٹھے ہیں۔

مولا بڑا جیالا اور دلاور تھا، لیکن اتنی رات گئے، ایک سنسان مقام پر ایک ویران مسجد میں سفید چادر اوڑھے ہوئے چند آدمیوں کا اس طرح خاموشی سے بیٹھنا کیا معنی؟

کیا یہ جنات تو نہیں؟

مولا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، وہ اگر دنیا میں کسی سے ڈرتا تھا تو صرف جنّاتوں سے یا بھوت پریت سے، اس میں اگر دم ہوتا تو شاید وہ الٹے پاؤں بھاگتا پوری تیزی سے بھاگتا، اور نہ جانے کہاں جا کر دم لیتا؟

وہ الٹے پاؤں واپس ہونے کا ارادہ کر چکا تھا کہ ان سفید پوشوں میں ایک ہلچل سی ہوئی

پھر کچھ کے منہ سے چیخ کی سی آواز نکلی، اور پھر سب ایک دوسرے سے گتھ کر بیٹھ گئے،

اور چیخ کی آواز میں درد تھا، بے بسی تھی!

مولا میں پھر ہمت پیدا ہوئی!

وہ آگے بڑھا، وہ اندر آیا، اس نے لرزتے ہوئے دل لیکن مضبوط آواز سے پوچھا،

"تم کون ہو؟"

جواب میں کچھ سسکیاں سنائی دیں مگر منہ سے کوئی نہ بولا۔

اب مولا، پھر مرد بن چکا تھا۔ اس نے پکار کر کہا،

"بتاؤ تم کون ہو؟ ورنہ میرا ڈنڈا چلتا ہے، اور یہ چاقو بھی میرے پاس ہے!

ایک چمکدار، اور بڑے پھل کا چاقو!"

چاقو دیکھ کر سفید پوشوں کے دل ہل گئے، کچھ دیر کے بعد سب میں جنبش پیدا ہوئی۔ پھر جنبش حرکت میں بدل گئی اور چشم زدن میں سب کے سر مولا کے قدموں پر تھے!

مولا نے گھبرا کر کہا۔

"ائیں! ائیں یہ کیا؟"

اور پھر اس نے ایک سر پر ہاتھ رکھا کہ اسے اٹھائے اس کے

ہاتھ میں ریشم کے سے نرم و ملائم بالوں کی لمبی سی چوٹی آگئی!
مولا نے اس سر کو اٹھا کر اپنے منہ کے سامنے کیا!
یہ ایک عورت تھی،!
ڈری ہوئی، سہمی ہوئی، لرزی ہوئی؟
پھر اس نے سب کو دیکھا، اور سب کو عورت ہی پایا۔ سب دہشت کے سبب نیم مردہ ہو رہی تھیں،
مسجد کے صحن میں مولا بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔
"یہاں آؤ!"
سب آکر اس کے گرد بیٹھ گئیں۔ جیسے مرشد کے سامنے مرید!
چاندنی چھٹکی ہوئی تھی اور سامنے کے چہرے صاف نظر آرہے تھے!
ان چہروں پر جوانی تھی، شباب، ملاحت تھی مباحت تھی لیکن پریشانی کے ساتھ، غم کے ساتھ۔ اور اس غم اور پریشانی اور دہشت نے ان چہروں کے حسن کو کچھ اور چمکا دیا تھا۔ بناؤ سنگار، زیور اور لباس کی مدد سے جو حسن چمکتا ہے۔ اس میں حقیقت کم ہوتی ہے، بناوٹ زیادہ، اور جو حسن بناؤ سنگار، قیمتی زیور اچھے لباس سے محروم ہوتا ہے۔ اس میں بناوٹ بالکل نہیں ہوتی، وہ سراپا حقیقت ہوتا ہے۔ مولا کے سامنے سہمی ہوئی حسن کی جو مورتیں بیٹھی تھیں انھیں آسمان کے

ستارے بھی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے!
چاند بھی انھیں جی بھر کے دیکھنے کے لئے، بادل کی آڑ میں آگیا تھا!
مولا نے پھر پوچھا۔
"تم کون ہو؟"
ایک لڑکی نے ہمت کر کے ڈرتے ہوئے کہا۔
"ہم مسلمان نہیں ہیں!"
مولا نے پوچھا۔
"پھر؟"
وہ ایک طرف اشارہ کر کے بولی،
"ہم دونوں ہندو ہیں!"
پھر اس نے بقیہ تین کی طرف اشارہ کر کے کہا
"یہ سکھ ہیں!"
مولا نے دریافت کیا۔
"یہاں تم کیا کر رہی تھیں، کیوں آئی تھیں؟"
وہی لڑکی بولی،
"پناہ لینے، یہ خدا کا گھر ہے نا؟"
ان چند الفاظ میں کیسی موثر اپیل تھی، کتنا بھرپور درد تھا،
مولا نے پوچھا

«لیکن یہ تو بتاؤ؟ تم کہاں سے آرہی ہو؟ کہاں جا رہی ہو؟»

وہ لڑکی رونے لگی، اس نے روتے روتے کہا۔

«ہمارا گھر تارا گڑھ میں تھا»

«پھر کیا ہوا؟»

وہ بولی،

«گھر لوٹ لیا گیا، گھر والے مار ڈالے گئے، کچھ ہمیں چھوڑ کر بھاگ گئے، اور پھر ——»

وہ پھر رونے لگی، مولانے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

«کہو کہو پھر کیا ہوا؟»

وہ روتی ہوئی بولی،

پھر ہمارا بٹوارہ ہوا، اور پھر ——

وہ پھر رونے لگی، اس کی ساتھی عورتیں بھی اس کے ساتھ رونے لگیں، مولانے پھر تسلی دی،

"اب تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، لیکن اپنی کہانی مجھے سناؤ!

وہ بولی، اس حالت میں کہ اس کے ہونٹ لرز رہے تھے اور آواز کانپ رہی تھی،

«پھر ہمیں بے آبرو کیا گیا،

وہ فریاد کرتے ہوئے بولی،

اور پھر ہمیں، ایک گھر سے دوسرے گھر میں، ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں ——— یونہی! گھومتے گھومتے ہم دلاور نگر پہنچے وہاں بھی وہی سب کچھ ہوا جو دوسری جگہوں پر ہوا تھا، آج موقع ملا ہم بھاگ نکلے، رات ہو گئی، یہاں چھپ رہے»

مولانے پوچھا،

"اب کدھر کا ارادہ ہے؟"

وہ بولی،

"ارادہ تھا، صبح ہوتے ہوتے دریا پار کر لیں گے!"

ایک دوسری لڑکی بولی،

"وہاں سے ہندوستان شروع ہو جاتا ہے، آگے جا کر ہمارے چاچا کا گھر ہے"

مولانا کا دل یہ دکھ بھری کہانی سن کر بھر آیا، اور آج پہلی مرتبہ اسے احساس ہوا کہ ظلم صرف مسلمان عورتوں پر نہیں ہوا ہے ہندو اور سکھ عورتیں بھی ظلم کی کند چھری سے ذبح ہوئی ہیں ولجیت اس کے دل میں جو رحم اور گداز نہیں پیدا کر سکی تھی وہ ان سفید پوشوں نے پیدا کر دیا تھا۔ لیکن اس نے اپنی حالت چھپائی اور کہا۔

"لیکن اب تم کیسے جاؤ گی؟ کیا تمہیں امید ہے میں تمہیں

جانے دوں گا؟ ایک مسلمان کے پنجہ میں پھنس کر تم بچ کے نکل سکتی ہو؟"

سب کے چہرے سفید پڑ گئے، ایسا معلوم ہوتا تھا، روح باہر نکلنے کے لئے پھڑپھڑا رہی ہے، مولانے پوچھا۔

"بتاؤ بولو!"

وہ لڑکی بولی

"آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں؟"

دوسری بولی،

"ہم آپ کے رحم وکرم پر ہیں!"

مولانے پوچھا

"ایک مسلمان اور رحم وکرم، کچھ پاگل ہو گئی ہو، ایسی بہکی بہکی باتیں کیوں کر رہی ہو؟"

تیسری نے جو ایک سکھ عورت تھی، مولا کے قدموں پر سر رکھ دیا، اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، اس نے مولا کے پاؤں پکڑے پکڑے کہا۔

"ہمیں جانے دیجئے؟"

مولانے غصہ سے کہا۔

"ہرگز نہیں!"

پھر سب عورتیں خاموش ہو گئیں، پھر سسکیوں پر سسکیوں

کی آواز آنے لگی۔

پہلی لڑکی نے کہا۔

"ہم ہر سیوا کے لئے تیار ہیں!"

مولانے پوچھا،

"کیا مطلب؟
کیسی سیوا؟"

وہ بولی،

"ہر سیوا کے لئے! جو آپ چاہیں"

مولانے کہا۔

"شاید تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں بھی تم سے وہی کام لوں، جو اب تک تم سے لیا جاتا رہا ہے — کیوں؟"

اس نے کہا

"ہمارا مطلب اس کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے؟"

مولانے پوچھا

"تو تم تیار ہو؟"

وہ استقلال سے بولی،

"جی! ہمیں کوئی عذر نہیں"

"یہ کس کی طرف سے کہہ رہی ہو، اپنی طرف سے یا اپنی ان سب

بہنوں کی طرف سے ؟"

"سب کی طرف سے !"

اور یہ کہتے کہتے اسکی بڑی بڑی آنکھوں سے پھر گنگا جمنا بہ نکلیں

دفعتہً مولا کی آواز، خاموش اور سنسان فضا میں گونجی۔

"میری بہن ——————"

اور وہ حیرت سے مولا کا منہ دیکھنے لگی، وہی نہیں اسکی سب ہمجولیاں بھی!

یہ سب سوچ رہی تھیں۔ کہیں ہمارے کانوں نے دھوکا تو نہیں دیا؟ جس مسلمان قوم کے جوان مردوں اور شہ سواروں نے ہمیں لوٹ کر برباد کر دیا۔ کیا اس قوم کا کوئی آدمی ہمارا بھائی بھی بن سکتا ہے؟ ہمیں بہن بھی کہہ سکتا ہے؟ ہمارا ساتھ بھی دے سکتا ہے؟

وہ یہی سوچ رہی تھیں کہ مولا نے کہا

"تم ذرا بھی نہ گھبراؤ، جن لوگوں نے تمہیں لوٹا، اور خراب کیا، وہ مسلمان نہ تھے۔ ان کے صرف نام مسلمانوں کے سے تھے میں ایک مسلمان کی حیثیت سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک تمہیں ہندوستان کی سرحد تک نہیں پہونچا دوں گا۔ نہ کھانا کھاؤں گا نہ پانی پیوں گا۔ حالانکہ میں دو وقت کا بھوکا ہوں۔ اور پیاس سے بے حال ہو رہا ہوں،"

وہ حیرت سے ٹکٹکی باندھے مولا کو دیکھ رہی تھیں اور مولا کہہ رہا تھا۔

"یہ بھی وعدہ کرتا ہوں، جب تک میری سانس چل رہی ہے، کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا، کوئی تمہیں ٹیڑھی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ تم اب میری حفاظت میں ہو، اور ایک مسلمان جسے اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے، اپنی جان قربان کر کے بھی اپنے عہد کو نباہتا ہے"

فسادات کے اس طویل دور میں، سب سے زیادہ دکھ، ہندو سکھ اور مسلمان عورتوں ہی نے اٹھائے تھے، کسی غیر مسلم عورت کا ایک مسلمان کی زبان سے اس نازک دور میں ایسے الفاظ سننا، عجیب و غریب واقعہ تھا۔ لیکن یہ عجیب و غریب واقعہ ایک سنسان رات میں ایک ٹوٹی سی مسجد کے اندر دمکتے ہوئے تاروں، اور چمکتے ہوئے چاند کے سامنے رونما ہو رہا تھا،

مولا نے کہا،

"تم مجھ پر اعتبار کرو، سو رہو —————— صبح اٹھکر پہلا کام یہ کروں گا کہ تمہیں تمہارے دیس کی سرحد تک پہونچا دوں گا،!"

پہلی لڑکی نے مولا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"اس احسان کا بدلہ بھگوان دیں گے!"

مولا نے جواب دیا!

"میں بھگوان سے بدلہ لینا نہیں چاہتا۔ مجھے بھگوان سے کوئی امید نہیں۔ اگر امید ہوتی تو میں بھگوان سے کہتا۔ تم مجھے انعام نہ دو۔ لیکن ان لوگوں کو سزا ضرور دو۔ جنھوں نے کنواریوں کی جوانی اور سہاگنوں کا سہاگ لوٹا، جنھوں نے معصوم اور ننھے منے بچوں پر بھی رحم نہ کیا۔ جنھوں نے بوڑھوں، اور آہوں کو بھی معاف نہ کیا۔ جنھوں نے بیماروں اور بے بسوں کی گردن بھی بڑے شوق سے کاٹی ——— جو بھگوان ان ظالموں کو سزا نہیں دے سکتا، وہ مجھے انعام کیا دے گا؟"

اور یہ کہتے کہتے مولا خود رونے لگا۔ اس نے کہا۔

"یا اللہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے۔ میں تجھے مانتا ہوں، تیری خدائی کے آگے سر جھکاتا ہوں، لیکن تیرے بندے تیری بندیوں پر جو ظلم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں، یہ تماشہ مجھے نہیں دیکھا جاتا میرا دل پھٹا جاتا ہے۔ میرے دماغ کی رگیں، پھٹی جاتی ہیں اے خدا اگر تو ہے، تو مجھے سکون دے۔ مجھے صبر دے مجھے ہمت دے، مجھے طاقت دے کہ میں تیرا کام کروں، یعنی ظالموں سے بدلہ لوں، تجھ سے میں عہد کرتا ہوں کہ کسی ایک ظالم کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو میرا

بھائی کیوں نہ ہو!"

مولا پر اس وقت ایک عجیب کیفیت طاری تھی، اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اس کی آواز میں ایک خاص قسم کی لرزش پیدا ہو گئی تھی!

پانچوں عورتیں، حیرت اور تعجب کی تصویر بنی بیٹھی تھیں،

ان کے دل میں نئی نئی امیدیں پیدا ہو رہی تھیں، نئی نئی آرزوئیں مچل رہی تھیں اب تک وہ دوسروں کے بس میں تھیں اب آزاد ہوں گی،

اب تک وہ پرائے دیس تھیں اب اپنے دیس میں جائیں گی؛

اب تک وہ غیروں کی قید میں تھیں۔ اب وہ اپنے لوگوں میں رہیں گی!

بھگوان کیا یہ ہو سکتا ہے؟

کیا یہ ہو گا؟

کیا یہ ممکن ہے؟

وہ یہ سوچ رہی تھیں، اور مولا نہ جانے کس دھن میں چپ اور خاموش بیٹھا تھا۔

اب پو پھٹ رہی تھی، رات کی تاریکی اپنا بستر لپیٹ رہی تھی۔ اور دن کا اجالا اپنی دکان سجا رہا تھا۔

مولا نے کہا۔

"یہی وقت ہے چلو، چلیں!"

وہ سب کی سب اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور مولا کے پیچھے پیچھے چل دیں

تھوڑی دیر کے بعد یہ لوگ ندی کے کنارے پہنچ گئے۔ اب یہی پار کس طرح کی جائے؟

مولا نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی، دور، بہت دور سے ایک ڈونگی نظر آئی، اس نے کہا،

"ٹھہرو میں جاتا ہوں، ابھی آیا!"

لیکن وہ سب رونے لگیں مولا نے جاتے جاتے پوچھا۔

"یہ کیا؟ تم رو کیوں رہی ہو؟"

وہ بولیں،

"اگر تمہارے پیچھے کوئی آگیا؟"

پھر وہ پہلی لڑکی کہنے لگی۔

"میں تمہارے ساتھ چلوں گی"

مولا نے کہا

"وہ سامنے ڈونگی نظر آرہی ہے۔ میں اسے لے کر ابھی آتا ہوں ——— جی چاہے تو سب ہی میرے ساتھ چلو،

آخر یہی فیصلہ ہوا کہ سب ساتھ جائیں، یہ سفید پوش، فیاض

عورتیں، جو مسلمان کے سایہ سے بھڑکتی تھیں۔ مسلمان سے نفرت کرتی تھیں۔ مسلمان کے قریب جانا پاپ سمجھتی تھیں، اس وقت ایک مسلمان کے ساتھ تنہا اور اکیلی جا رہی تھیں۔ اس کی حفاظت میں اس کی پناہ میں!

تھوڑی دیر کے بعد، یہ لوگ ڈونگی کے پاس پہونچ گئے۔ یہ ڈونگی شاید کسی مچھیرے کی تھی، اور وہ اس وقت گھوڑے بیچ بے خبر اپنی جھونپڑی میں یہاں سے نہ جانے کتنی دور سو رہا تھا

مولا نے کہا۔

"ہم بڑے موقعہ سے پہونچے آؤ بیٹھو"

وہ سب آکر بیٹھ گئیں!

مولا ڈونگی چلانے لگا۔ اور وہ ہلتی، ڈولتی، ندی کا سینہ چیرتی آگے بڑھنے لگی، بیچ ندی میں پہونچکر، مولا نے کہا۔

"اگر میں اسے ڈبو دوں تو؟"

وہ پہلی لڑکی مسکرائی اور بولی،

"تو ہم آپ کو ڈوبنے نہیں دیں گے، ہم سب ڈوب جائیں گے، مگر آپ کو کنارے پہونچا دیں گے"

مولا نے کہا،

"یہاں تو خوب میٹھی میٹھی باتیں کر رہی ہو، اپنے ملک میں پہنچکر بات بھی نہ پوچھو گی، بلکہ پکڑوا دو گی کہ یہی مسلمان ہے جس نے ہمیں غارت

کیا!"

وہ بولی،

"ایسا نہیں ہو سکتا!"

مولا نے پوچھا،

"پھر کیا ہو سکتا ہے؟"

"پھر کیا ہوگا؟"

کہنے لگی۔

"ہم آپ کی خاطر کریں گے"

دوسری نے کہا،

"ہم آپ کو اپنا مہمان بنائیں گے!"

تیسری بولی،

"ہم آپ کو کھانا کھلائیں گے ——— لیکن گوشت نہیں"

مولا نے پوچھا،

"پھر کیا کھلاؤ گی؟"

چوتھی نے کہا،

"پوری کچوری۔"

اور سب ٹھٹھا مار کر ہنسنے لگیں،

مولا اس وقت بہت خوش تھا، بہت خوش، وہ دیہاتی گیت بڑے اچھے لب و لہجہ میں گا لیتا تھا اور ہیر وارث شاہ تو اسے

زبانی یاد تھی اس وقت طبیعت جو موج میں آئی تو وہ گانے لگا اس کے گانے نے ایسا سماں باندھا کہ یہ مسکراتی ہوئی کلیاں پھر رونے لگیں یہ ہنستے ہوئے پھول پھر کملا گئے ——— مرجھانے لگے!

اور خود مولا کی بھی یہی کیفیت تھی، اس کی آنکھوں میں بھی آنسو ڈبڈبا رہے تھے، اسے اپنی ہیر یاد آ رہی تھی، اور ان رونے والیوں کو اپنے اپنے رانجھا۔

ہیر اور رانجھا!

یہ کہانی کبھی پرانی نہیں ہو سکتی، ہر زمانہ میں نئی نئی ہیر پیدا ہوتی رہے گی، اور نئے نئے رانجھا عالم وجود میں آتے رہیں گے، اور اسی طرح ایک دوسرے کے لئے تڑپتے رہیں گے سر پٹکتے رہیں گے جان دیتے رہیں گے، جس طرح پہلی ہیر، اور پہلے رانجھا نے کیا تھا، یہ کھیل جتنا زیادہ پرانا ہوتا جائے گا اتنا ہی زیادہ لوگوں کا دل اپنی طرف کھینچتا رہے گا ———

مولا نے گانا بند کر دیا، وہ چپ ہو گیا،

پہلی لڑکی نے بے قرار ہو کر پوچھا،

"آپ چپ کیوں ہو گئے؟"

مولا نے کہا،

"تم رونے کیوں لگی تھیں؟"

وہ بولی،

" اور آپ بھی ـــــــ آپ کی آنکھوں میں بھی تو آنسو بھر کر
ہوئے ہیں اب تک ؟"

نہ مولا نے جواب دیا، نہ لڑکی نے ـــــــ اور کشتی
ہلتی ڈولتی، کنارے کے قریب پہونچ رہی تھی، قریب
پہونچ گئی،

مولا نے کہا
" اترو، بہنو! ـــــــ تمہاری منزل آگئی!"
ایک بولی،
" ابھی نہیں ـــــــ منزل قریب سے آئی
نہیں!"
پہلی لڑکی نے کہا،
" آپ کو منزل تک ہمارا ساتھ دینا ہوگا!"
مولا نے جواب دیا،
" ہاں ضرور ـــــــ میں وعدہ کر چکا ہوں۔ اور
اپنے وعدہ پر قائم ہوں!"

اب سورج کی کرنیں، ذرا ذرا، چمکنے لگی تھیں، مولا نے کہا،
" جلدی چلو ـــــــ جب تک پہونچ نہ جاؤ
بڑی احتیاط کی ضرورت ہے! ـــــــ خطرہ
یوں سمجھو سر پر منڈلا رہا ہے!"

مولا تیز تیز چلنے لگا، اور اس کے پیچھے وہ عورتیں بھی!
کوئی تین میل کے بعد، ایک گاؤں کی سرحد نظر آئی
پہلی لڑکی پھول کی طرح کھل گئی، اس نے مولا سے کہا،
" یہ رہا"
" مولا نے پوچھا، یہی وہ گاؤں ہے؟"
اس نے مسکراتے ہوئے اقرار میں گردن ہلائی،
گاؤں کی سرحد پر پہونچکر۔ مولا نے کہا
" اب آگے تم جا سکتی ہو، میں نہیں جا سکتا"
وہ اڑ گئی،
" نہیں آپ کو بھی چلنا ہوگا"
دوسری نے کہا،
" ایک دن رہ کر چلے آیئے گا"
مولا ہنسنے لگا، اس نے کہا،
" ابھی وہ وقت نہیں آیا ـــــــ"
" اچھا اب تم جاؤ، مجھے واپس جانا ہے، بیچارہ پھیرا
گالیاں دے رہا ہوگا"
پہلی لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آگئے، اس نے کہا،
" کھانا تو کھا لیجئے!"
مولا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میری قسم پوری ہوگئی، اب ضرور کھاؤں گا۔ یہ دیکھو بھنے ہوئے چنے میرے ساتھ ہیں!"

مولا نے اپنے چنوں میں سے ایک مٹھی بھری اور کہا،

"لو تم بھی کھاؤ"

اس نے بچوں کی طرح لپک کر لے لئے اور کہا،

"ہاں ——— یہ پرشاد ہے!"

وہ چنے لیکر اس نے اپنی ساتھیوں کو بانٹے اور خود بھی چبانے لگی، مولا مسکرایا، اور اس نے کہا۔

"اب اجازت دو، خدا حافظ!"

وہ آگے بڑھ گئیں، اور مولا پیچھے ہٹ آیا!

یہ دو ملک تھے!

دو ملکوں کی الگ الگ حدیں!

مولا جلدی جلدی ندی کے کنارے پہونچا ڈونگی میں بیٹھا اور اسے کھیتا ہوا۔ وہیں پہونچ گیا۔ جہاں سے اس نے اس پر قبضہ کیا تھا۔ ایک بوڑھا مچھیرا ایک چھوٹے بچے کے ساتھ کھڑا ہوا تھا، اس نے مولا کو دیکھکر برہمی کے انداز میں پوچھا،

"تم میری ناؤ کہاں لے گئے تھے؟"

مولا نے جواب دیا،

"ندی کے پار! ——— دور بہت دور"

وہ اور بگڑ گیا،

"کس سے پوچھ کر؟"

کس کی اجازت سے؟"

مولا نے کہا

"پوچھا تو کسی سے نہیں تھا"

وہ جھلا کر بولا،

"کیوں؟ ایسی حرکت کرنی چاہیے تھی تمہیں؟"

مولا نے کہا۔

"کس سے پوچھتا؟

یہاں تو کوئی نہ تھا۔"

مچھیرے کو اس کا صدمہ تھا کہ اس کا بہترین وقت ضائع ہوگیا۔

اس نے کہا۔

"اب میں کھاؤں گا کیا؟"

مولا نے چنے آگے کر دیئے۔

"لو کھاؤ!"

اور خود کھانے لگا، پھر اس نے بڑی نرمی سے مچھیرے سے کہا،

"بھائی خفا مت ہو، ایک بہت ضروری کام تھا، تمہارا نقصان ہوا

دفعتاً اس کے دل میں خیال آیا، اگر واقعی اسے فساد زدہ عورت کی مظلومیت سے ہمدردی ہے، خواہ وہ ہندو ہو سکھ ہو یا مسلمان تو اس کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ دلجیت کو اس کے گھر پہنچا آئے!"

اس خیال کے آتے ہی اس کے دل پر آرے چلنے لگے، وہ دلجیت کو دل دے بیٹھا تھا وہ اسے چاہتا تھا۔ وہ اس پر ہزار جان سے فریفتہ تھا۔ دلجیت اس کے گھر میں تھی، تو امید تو تھی کبھی نہ کبھی وہ اس کی ہو جائے گی؟ نہ ہو سکے اسے دیکھ لینا اس سے ایک آدھ بات کر لینا کیا کم تھا۔ یہ اطمینان تو تھا کہ اگر وہ اس کی نہیں بن سکتی تو کسی اور کی بھی نہیں بن سکتی۔ لیکن دلجیت کے وہاں سے چلے جانے کے معنی یہ تھے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس سے دستبردار ہو جائے۔ کبھی اس سے بات نہ کر سکے کبھی اس کا نظارہ نہ کر سکے، کبھی اسے اپنا بنانے کا خیال بھی دل میں نہ لائے۔ یہاں سے جانے کے بعد وہ یقیناً کسی اور کی بن جائے یہ پتھر بھی سینہ پر رکھنا پڑے گا

وہ بار بار اپنے دل کو ٹٹولتا تھا، اور ان میں سے ہر بات اس کے لئے دشوار تھی، وہ کسی قیمت پر بھی دلجیت کے خیال سے دستبردار نہیں ہو سکتا تھا،

لیکن ضمیر نے اسے پکارا،

پہلے ہی قدم پر لڑکھڑا گئے میاں مولا؟

تمہیں تو عورت کی مظلومیت سے ہمدردی تھی، اور امتحان کے پہلے ہی مرحلہ میں دل بیٹھا جا رہا ہے؟ پاؤں ڈگمگائے جا رہے ہیں؟ جس طرح تمہیں دلجیت سے محبت ہو گئی ہے، کیا اسی طرح کسی سکھ کو، کسی ہندو کو، کسی مسلمان لڑکی سے تمہاری کسی مسلمان بہن سے محبت نہ ہو گی، اگر تم یہ چاہتے ہو کہ مصیبت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کسی کو اپنا نہ بنایا جائے خواہ کیوپڈ کے کتنے ہی تیر کیوں نہ چلیں، اور وہ تیر دل کو چھلنی کیوں نہ کر دیں، تو اٹھو، اپنے دل کو مٹھیوں سے دباؤ سینے سے اپنے گاؤں جاؤ، وہاں دلجیت تمہیں ملے گی!

وہی دلجیت!

جس کا شوہر مارا جا چکا ہے، جس کا ننھا بچہ اس کے لئے تڑپ رہا ہے، بے موت مر رہا ہے، جس کو اتنی محبت اور حسن سلوک کے باوجود تم اپنا نہ بنا سکے، جس کے دل سے اب تک اس کے عزیزوں کی، اس کے وطن کی، اس کے مذہب کی محبت نہ نکل سکی، جو اب تک تمہاری فضا سے مانوس نہیں ہوئی!

ہاں جاؤ!

جاؤ، اور اس دلجیت سے ملو،

دل ٹکڑے ٹکڑے ہو تو ہونے دو، جان پر بن جائے تو بن جانے دو، فرض سب پر مقدم ہے، جان پر بھی، دل پر بھی، تمہارا فرض تمہیں پکار رہا ہے۔ تمہارا مذہب تمہیں جھنجھوڑ رہا ہے تمہاری قوم کے کردار کا وقار تم سے فریاد کر رہا ہے انسانیت امید کی نظر سے تمہیں دیکھ رہی ہے!_____

ہاں تو تم جاؤ!

وہاں تمہیں دلجیت ملے گی!

دیکھو اسے دیکھ کر پھسل نہ جانا۔ اس کے حسن پر ریجھ نہ جانا اس کے سامنے اپنا دل کھول کر نہ بیٹھ جانا!

دلجیت سے کہنا!

چل میں تجھے تیرے عزیزوں میں پہونچا آؤں، تجھے رخصت کرآؤں، تاکہ تو اس دماغی الجھن سے نجات پالے جس نے تیرے حسن کو پژمردہ کر دیا ہے، جس نے تیری جوانی کا رس چوس لیا ہے جس نے تیری زندگی کو موت بنا دیا ہے۔

وہ راضی ہو جائے گی، تو اسے اپنے ساتھ لے جا، وہ تیرے ساتھ تنہا جائے گی، تو اسے چھپ کر لے جائے گا۔ لیکن دیکھ تیری آنکھ نہ لڑکھڑائے، تیرا ہاتھ نہ بھٹکے تیرے قدم میں لغزش نہ ہو،

جب تو یہ کام کرے گا، تب تو پکا مسلمان اور سچا انسان کہلائے

گا مستحق ہوگا، پھر تیری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوگا،

نیا اور شاندار دور!

تو سوچ کیوں رہا ہے؟ تو کیا سوچ رہا ہے؟ تو اٹھتا کیوں نہیں؟

تو جاگتا کیوں نہیں؟

اور دفعتاً مولا اٹھ کھڑا ہوا!

اس پر اس وقت عجیب کیفیت طاری تھی، وہ اٹھا اس نے اپنا ڈنڈا سنبھالا، اور تیزی کے ساتھ پھر جہاں سے واپس آیا تھا اس طرف چل کھڑا ہوا،

مولا جب اپنے گاؤں میں پہونچا تو شام کا جھٹ پٹا ہو چکا تھا گاؤں کی حد پر پہونچ کر وہ کچھ سوچنے لگا،

وہ سوچ رہا تھا!

میں یہاں تک تو آگیا، لیکن اب دلجیت سے کس طرح ملوں کیا گھر چلا جاؤں؟ بابا سے اپنے دل کی بات کہہ دوں، کیا وہ میری بات کا اعتبار کر لیں گے؟ کیا وہ مجھ پر اعتماد کریں گے؟ کیا وہ دلجیت کو میرے ساتھ بھیج دیں گے_____؟

نہیں وہ مجھے خفا ہیں، وہ مجھ سے بدظن ہیں، وہ مجھ پر اعتماد نہیں کر سکتے!

پھر؟

پھر میں کیا کروں؟ کیا طریقہ اختیار کروں؟ دلجیت سے کس طرح ملوں،

بڑی دیر تک وہ اسی کشمکش میں گرفتار رہا۔ نہ آگے بڑھ سکتا تھا، نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا،

آخر سوچتے سوچتے وہ اپنے کھیت کی طرف لپکا، یہاں چھپنا بھی آسان تھا۔ اور دلجیت سے ملاقات بھی،

ساری رات اس نے کھیت میں گذاری، ایک چور کی طرح وہ نہیں چاہتا تھا۔ کوئی اسے دیکھے، کوئی اس سے ملے، کسی کو اس کے متعلق رائے قائم کرنے کا موقع ملے،

دن نکل آیا،

سورج سر پر چڑھ آیا!

دوپہر ہو گئی!

اور اب دلجیت اسے جاتی ہوئی نظر آئی وہ اللہ دتا کا کھانا لیکر جا رہی تھی،

دوپہر کا کھانا کھا کر، اللہ دتا گھر چلا جاتا تھا، اور دلجیت شام تک وہیں رہتی تھی، پھر وہ گھر چلی جاتی تھی، اور اللہ دتا رات وہیں گذارتا تھا، فصل کے کاٹنے کا زمانہ تھا، اور اسی زمانے میں کم بخت مولا کو گھر چھوڑنے کی سوجھی، اللہ دتا دانت کٹکٹا کر رہ جاتا تھا۔، مگر اس کے کئے کچھ نہیں بنتی تھی، یہ پاؤں کا گھاؤ تھا جس کے متعلق مثل مشہور ہے

پاؤں کا گھاؤ، میاں جانیں یا پاؤں،

مولا نے ہلکی سی سیٹی بجائی!

دلجیت نے مڑ کر دیکھا، مولا کھیت میں چھپا ہوا، ذرا سی گردن نکالے اشارے سے اسے بلا رہا تھا،

مولا کو دیکھ کر اس کا پژمردہ چہرہ کھل گیا، وہ فوراً لوٹی اس نے کہا،

”تم یہاں؟ —— کب آئے؟ کہاں گئے تھے؟“

مولا بولا،

”ہاں ——! کھانا کھا کے جب چلے جائیں، تو مجھے یہیں ملنا!“

اس نے حیرت سے پوچھا۔

”یہاں؟ —— اس جگہ؟“

مولا نے جواب دیا۔

”ہاں! —— کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں؟“

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

”اچھا —— آجاؤں گی؟ اعتبار کیوں نہیں؟“

وہ چلی گئی جاتے جاتے مولا نے آہستہ سے کہا،

”سنو تو! ایک بات سنتی جاؤ“

وہ پھر پلٹ آئی،

"کیا ہے؟ جلدی کہو دیر ہو رہی ہے۔"

"کئی وقت کا بھوکا ہوں ——— اگر کچھ کھانا بچے تو پھینکنا نہیں لیتی آنا!"

دلجیت چلی گئی، اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے،

اللہ دتا کو کھلا کے اور نصیحت کر کے کوئی گھنٹہ بھر کے بعد وہ واپس آئی، اللہ دتا کا بچا ہوا کھانا اس نے خود کھا لیا تھا اور اپنا کھانا وہ مولا کے لئے لے آئی تھی،

اس نے کہا،

"پہلے کھانا کھا لو، پھر بات کرنا!"

مولا نے کہا،

- ارے یہ تو پورا کھانا ہے،

وہ بولی،

ہاں بابا کہ آج ایک جگہ دعوت میں شیخ صاحب کھینچ لے گئے وہ وہاں گئے ہیں، انھوں نے نہیں کھایا،

مولا کھانے پر ٹوٹ پڑا، جیسے کئی دن کا بھوکا ہو، اور وہ کئی دن کا بھوکا تھا بھی تو۔

دلجیت کھانے کے ساتھ مولا کی بے تابی کا نظارہ کر رہی تھی اور اس کا ڈوبتا ہوا دل ہچکولے لے رہا تھا، کھانے کے بعد مولا نے

بھر گلاس ٹھنڈا پانی پیا، پھر جیب سے ایک بیڑی نکال کر سلگائی ایک بڑا سا کش لگایا، جس نے آدھی بیڑی کو ختم کر دیا اور کہا،

"ہاں دلجیت، تم اچھی تو رہیں!"

دلجیت نے گردن جھکا کر کہا،

"اچھی رہی ——— لیکن آپ نے اپنی کیا حالت بنا لی ہے؟ بابا کل آپ کی جدائی سے کر بھک گئی، ماں کی آنکھوں کے آنسو نہیں تھمتے،

مولا نے، ادیب فاضل کا امتحان دینے کی ایک مرتبہ ناکام کوشش کی تھی، وہ امتحان تو نہ دے سکا۔ لیکن اس زمانے کی اردو کا مطالعہ آج کام دے گیا، اس نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کر کہا،

"کیا پوچھتی ہو دلجیت! ——— دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے۔"

دلجیت خاموش ہو گئی، اسکی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے،

اسے روتا دیکھ کر مولا نے کہا،

"تم روتی ہو؟ ——— میں تمہارے رونے کا راز سمجھتا ہوں"

وہ جلدی سے بولی،

کیا سمجھتی ہو؟"

کہنے لگی،

"میں جو کچھ سمجھتی ہوں وہ تو بھگوان جانتے ہیں، لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

وہ عاجز آ گیا۔

"ارے بھائی کیوں نہیں ہو سکتا؟"

کہنے لگی،

"اچھا سوچوں گی"

"نا بھائی ——— سوچنے کا وقت بالکل نہیں اور یہ یاد رکھو کہ ——— گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں ——— بولو؟ ——— کہہ دو ہاں ———؟"

وہ حیران ہو کر بولی،

"کیسے کہہ دوں جی ——— میں کچھ نہیں جانتی، بابا سے پوچھئے!"

مولا کی آواز بھر آئی،

"میں سمجھ گیا، تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتیں، اور نہیں کرتیں تو ٹھیک بھی ہے، دودھ کا جلا چھاچھ، پھونک پھونک کے پیتا ہے"

"یہ آپ کیا کہہ گئے؟"

"میں نے غلط تو نہیں کہا؟"

"سچ کیسے کہہ دوں جبکہ میں جانتی نہیں آپ کا مطلب کیا ہے؟"

وہ جوشش اور افسردگی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ بولا،

"تم جانتی ہو، بابا تمہیں میرے ساتھ نہیں جانے دیں گے"

"کیوں نہیں جانے دیں گے؟"

"وہ مجھ پر اعتبار نہیں کرتے ——— کم از کم تمہارے بارے میں ——— ان کا خیال ہے۔ میں تمہارے معاملہ میں دیانتدار نہیں رہ سکتا!"

بڑی محبت کے ساتھ بولی

"جی جی ایسا نہ کہئے، وہ ایسے آدمی نہیں، وہ آپ کو بہت چاہتے ہیں، آپ سے زیادہ انھیں کسی پر اعتبار نہیں"

"بالکل ٹھیک ——— لیکن میں نے کہا نا سوا تمہارے ہر معاملہ میں ——— اور تم نے یہ شرط اس لئے لگائی ہے کہ نہ وہ اجازت دیں گے، نہ تم میرے ساتھ جاؤ گی، وجہ یہ کہ تمہارا دل بھی سہما ہوا ہے، تم بھی مجھ پر بھروسہ نہیں کرتیں!"

دلجیت چل گئی،

"آپ بار بار اعتبار اور بھروسہ کا ذکر کیوں کرتے ہیں؟"

"کیسے نہ کروں دلجیت؟ ——— کچھ غلط تو نہیں

کہتا ؟ جھوٹ تو نہیں بولتا ؟"

اس نے کچھ سوچتے سوچتے کہا،

"میں آپ کو جھوٹا تو نہیں کہتی، لیکن یہ ضرور کہوں گی کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ صحیح نہیں !"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے ؟"

"ہاں یہی مطلب ہے !"

آپ پر بھروسہ نہ کروں گی تو کس پر کروں گی ؟

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میرے ساتھ تن تنہا چل سکتی ہو ؟"

"یہ بھی ٹھیک ہے ! ——— بے شک "

"صرف زبان سے ؟"

دلجیت کا پیچ و تاب اب حد سے بڑھ چکا تھا، ناقابل برداشت حد تک پہونچ چکا تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے کہا،

"چلئے، ابھی چلئے، دن دھاڑے، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میں آپ پر بھروسہ کرتی ہوں یا نہیں ؟"

مولا نے اسے ہاتھ پکڑ کر بٹھالیا، اپنے قریب، اور کہا۔

"تم خفا ہو گئیں !" وہ چڑی ہوئی تیوریوں کے ساتھ بولی،

"خفا نہیں ہوئی ——— اپنی سچائی ثابت کرنا چاہتی ہوں، چلئے، میں حاضر ہوں ——— لیکن میں پھر کہوں گی

کہ صرف آپ کی غلط فہمی رفع کرنے کے خیال سے جا رہی ہوں ورنہ میرا جی نہیں چاہتا !"

"کیا کہا ! ——— جی نہیں چاہتا !"

"اس طرح جانے کا میرا دل نہیں چاہتا "

"کیوں ؟ تم وہاں ——— ہندوستان میں ——— جانا نہیں چاہتیں ؟"

"کیونکر کہوں نہیں چاہتی ؟ ——— میری سب سے بڑی پونجی میرا مہندر وہیں ہے، اور اس کے لئے ہر وقت میرا دل مچھلی کی طرح تڑپتا رہتا ہے !"

"پھر تامل کیوں ؟"

"صرف بابا کے لئے !"

"بابا تمہیں روکنا تو نہیں چاہتے !"

"ہاں نہیں چاہتے ——— میں اگر ان سے اجازت لے کر جاؤں، تو وہ بڑے شوق سے اجازت دے دیں گے۔ ممکن ہے کچھ عرصہ تک مجھے پہونچا بھی آئیں، لیکن اگر ان سے بے کہے جاؤں گی، تو وہ اپنے دل میں کیا کہیں گے ؟ جس نے باپ سے زیادہ میرے ساتھ شفقت اور محبت کی، اس کا دل دکھاؤں یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا، لیکن ——— لیکن آپ کی خاطر سے میں یہ کرنے کو بھی تیار ہوں !"

مولانے کہا،

"تمہارے جذبات بڑے اچھے اور قابل قدر ہیں، لیکن دلجیت بابا میں اتنی سکت نہیں کہ وہ تمہیں ہندوستان کی سرحد تک پہونچا آئیں، کسی اور کے ساتھ وہ بھیج نہیں سکتے، مجھ سے کھٹک چکے ہیں، تمہارا سوال جب آئے گا وہ کبھی مجھ پر بھروسہ نہیں کر پائیں گے، پھر آخر تم کب تک یہاں بسر کرو گی۔"

وہ بولی،

"ان کی محبت کے دامن میں یہاں سارا جیون بتا دینا میرے لئے آسان ہے، بہت آسان ہے، لیکن ان کے دل کو دکھ پہونچا کر اپنے دل کو سکھی بنانا مجھے منظور نہیں۔"

دلجیت کو رسکے جوہر آج مولا کے سامنے کھل رہے تھے آج اس کی آنکھوں سے پردے ہٹ رہے تھے، اب تک وہ صرف اسے چاہتا آیا تھا، اب وہ اسے پوجنے بھی لگا۔ اس نے عقیدت بھری نظروں سے گھور کر دلجیت کو دیکھا، وہ کومل ٹہنی کی طرح لجا گئی، پھر وہ بولا،

"تم کتنی اچھی ہو دلجیت، یہ مجھے آج معلوم ہوا میں تو تمہارے پاؤں کی خاک کی برابری بھی نہیں کر سکتا۔"

وہ بولی،

"ایسی باتیں کر کے مجھے شرمندہ نہ کیجئے، خود میں نے آپکا روپ

جیسے دیکھا ہے، اتنی بڑائی میرے دل میں کسی کی نہیں جتنی آپ کی ہے!"

مولا مسکرا دیا، اس نے کہا،

"ارے بھئی یہ تو مشاعرہ شروع ہو گیا۔ اگر میرے منہ سے واہ سبحان اللہ، مکرر ارشاد فرمانا کے نعرے نکلے تو ضرور کوئی سن لے گا۔ اور ہم دونوں پکڑے جائیں گے، گنہگار نہ ہوتے ہوئے بھی، مجرم بن جائیں گے، کوئی بھی ہمیں سچا نہیں سمجھے گا؟"

دلجیت مسکرا کر خاموش ہو گئی مولانے بڑی ملائمت سے کہا،

"دلجیت تمہیں چلنا پڑے گا، میرے دل پر وہ چوٹ لگی ہے اور ضمیر نے میرے دل پر ایسا کوڑا لگایا ہے کہ جب تک تمہیں امرتسر پہونچا نہ لوں، مجھے قرار نہ آسکے گا، ——"

پھر وہ چپ ہو گیا،

دلجیت نے پوچھا

"آپ چپ کیوں ہو گئے بات کیوں نہیں کرتے؟"

مولانے جواب دیا،

"جانتی ہو تمہیں میں کیوں لئے جا رہا ہوں؟"

وہ بولی،

"بتائیے"

آپ بتائیں گے تو معلوم ہوگا،

اس نے نظر نیچی کر کے کہا،

"تمہیں میں نے ستایا تھا، یاد ہے؟" دلجیت نے آہستہ آہستہ کہا،

"ایک دفعہ آپ نے ستایا، اور ہزار بار بھلائیاں کیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بھلائیوں کو بھول جاؤں، اور ایک برائی کو لے کے بیٹھ جاؤں"

دلجیت اس وقت بالکل مولا کے قریب بیٹھی تھی، جب سے وہ اس گھر میں آئی تھی، آج پہلا موقعہ تھا کہ اس طرح تنہائی میں دونوں ایک دوسرے کے قریب بیٹھے تھے، اور یہ بھی بالکل پہلا موقع تھا، کہ دلجیت نے اس طرح آزادی اور اطمینان سے اتنی دیر پاس بیٹھ کر باتیں کیں، مولا کا اس وقت عجیب حال تھا، وہ جذبات کی شدت سے دیوانہ ہوا جا رہا تھا،

دلجیت!

اسکی محبوبہ!

اس کے سپنوں کی رانی،

اس کے جان و دل کی مالک،

اس قدر قریب بیٹھی تھی،

اس کا جی چاہ رہا تھا، وہ دلجیت کو آنکھوں میں رکھ لے دل میں بٹھا لے، اس سے اس طرح مل جائے۔ جس طرح قطرہ سمندر سے مل جاتا ہے، پھر جدائی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن آج اس کے دل پر ضمیر نے جو کوڑے لگائے تھے وہ بڑے زبردست تھے، دلجیت کو اپنے سے اتنا قریب پا کر بنا بے تکلف پا کر بھی وہ بہکا نہیں، وہ یہ نہیں بھولا کہ اسے کیا کرنا چاہیئے، اور کیا نہ کرنا چاہیئے؟ اسے اس کا احساس تھا کہ وہ بہت بڑا فرض ادا کرنے چلا ہے، اگر ذرا بھی لغزش ہوئی تو پھر وہ کہیں کا نہیں رہے گا!

وہ بڑی دیر تک کچھ الجھا الجھا سا رہا۔ پھر اسے ہوش آیا، اور اس نے کہا۔

"دلجیت بہت دیر ہو گئی"

"ہاں مجھے کہیں جانا چاہیئے؟"

"جاؤ، لیکن جو وعدہ کر چکی ہو، اسے نہ بھولنا!"

"تو آپ لے ہی چلیں گے مجھے؟"

"ہاں!——— یہ میرا اٹل فیصلہ ہے!"

"کب؟ کیا آج ہی؟"

"ہاں آج رات کو!"

"رات کو؟ ـــــــ رات کو نہیں،"

"چوروں کی طرح تمہیں گھر سے نکلنا پڑے گا، چوروں کی طرح
ساری رات میرے ساتھ چلنا پڑے گا، ویران راستے
سنسان مقامات پر ـــــــ پھر اپنے جی کو ٹٹول لو، تم ایسا
کر سکتی ہو یا نہیں؟"

وہ ایک عزم کے ساتھ بولی،

"کر سکتی ہوں، کروں گی؟"

مولا نے ایک نظر اس پر ڈالی، اور کہا،

"تو ٹھیک ہے، میں یہاں سے سورج ڈوبتے ہی نکل جاؤں گا،
بابا یہاں ۸ بجے تک آ جاتے ہوں گے؟"

"ہاں! ٹھیک آٹھ بجے گھڑی دیکھکر"

"اور گھر میں ۹ بجے سوتا پڑ جاتا ہے؟"

"ہاں!"

"بس تو تم دس بجے گھر سے نکلو ـــــــ اب تو تھوڑا بہت
تمہیں راستہ آ گیا ہے، ہمارے گھر کے پچھواڑے تھوڑی دور تک
داہنے ہاتھ پر جا کے، بائیں ہاتھ پر مڑ جاؤ تو ایک چھوٹی سی درگاہ
آتی ہے۔ جو سید صاحب کی درگاہ کہلاتی ہے!"

"ہاں جانتی ہوں، ماں کے ساتھ کئی دفعہ گئی ہوں وہاں"

"بس وہیں آ جاؤ، میں تمہیں وہاں ملوں گا، تمہارے انتظ

میں ٹہلتا ہوا!"

وہ یہ سن کر جانے لگی،

مولا نے کہا،

"تم نے جواب نہیں دیا!"

وہ بولی،

"ضرور آؤں گی!"

وہ کھیت کی طرف چلی گئی، اور مولا پھر کھیت میں چھپ رہا۔
جاتے جاتے، اسے پھر مولا نے روکا۔

"سنتی ہو!" "ذرا سنو تو"

وہ آ کر پاس کھڑی ہو گئی،

مولا نے کہا۔

"کھانا میرے لئے لیتی آنا ـــــــ ان کرما کے
ناقوں نے مجھے مربجا بنا دیا ہے، ابھی سے بھوک لگی ہے"

وہ مسکرا دی، اور چلی گئی ـــــــ اور مولا اس وقت
تک اسے ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہا۔ جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ
ہو گئی۔

شام کو اللہ دتا ۸ بجے کے قریب گھر سے کھانا وانا کھا کر کھیت
میں آ گیا، اور دلجیت اس کے آتے ہی گھر روانہ ہونے کی تیاری

کرنے لگی.

اللہ دتا نے اس سے پوچھا۔

"بیٹی تجھے بڑی تکلیف دیتا ہوں ــــــــ اب تک تجھے یہاں
بٹھائے رکھا۔"

وہ بولی

"تو کیا ہوگیا؟" کونسی تکلیف پہونچ گئی مجھے؟"

"کیوں نہیں بیٹی، میں جانتا ہوں تیری تکلیف لیکن میں بھی مجبور ہو
وہ مولا، مجھے دغا دے کر چلا گیا، اس کا کام تجھی سے لیتا
ہوں!"

کچھ دیر خاموش رہ کر، اللہ دتا نے کہا،

"میں مولا سے بہت خفا ہوں ــــــــ لیکن صرف اس لئے
اس کے آنے کی آس کرتا ہوں کہ پھر کھیت کا کام وہ سنبھال
لے گا۔ اور تو اطمینان سے گھر بیٹھ سکے گی!"

دلجیت نے کہا،

"بابا ایسی باتیں نہ کیا کیجئے، جن سے غیریت ٹپکتی
ہو ــــــــ کیا میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں؟"

"کیوں نہیں ہے؟"

"پھر اگر تھوڑا بہت آپ کا ہاتھ بٹا لیتی ہوں، تو اتنا کرتے

کیوں ہیں۔"

بڑی محبت سے بولے،

"اچھا بیٹی اگر خفا ہوتی ہے تو اب نہیں کہوں گا ــــــــ
ــــــــ جا، کافی دیر ہوگئی!"

دلجیت کھیت سے گھر، روانہ ہوئی اور راستہ بھر سوچتی
رہی، یہ بوڑھا شخص اللہ دتا، کتنا مجھے چاہتا ہے؟ کتنا میرا
خیال رکھتا ہے؟ بالکل اپنی اولاد کی طرح۔

اسے میں کس طرح دھوکا دے سکوں گی، یہ میکے جانے
کے بعد، میرے بارے میں کیا رائے قائم کرے گا؟ اس
کے بوڑھے اور کمزور دل کو کتنا صدمہ پہونچے گا؟ کیا مجھے یہ
زیبا ہے، کیا مجھے یہ کرنا چاہئے؟

پھر وہ سوچنے لگی،

مجھے یہ بُرا کام کرنا ہی پڑے گا، میں ان سے وعدہ کر چکی
ہوں، وہ میری راہ دیکھ رہے ہوں گے، ان سے جھوٹ
بھی تو نہیں بول سکتی ــــــــ اور ــــــــ

اور،

اور پھر وہ سوچنے لگی،

اور میرا عہد؟

اس سے ملنے کی اس کے سوا اور کیا صورت ہے کہ اس موقعہ

کو ہاتھ سے نہ جانے دوں !"

یہی سوچتی ہوئی، وہ گھر پہونچی، کھانا تیار تھا، بلکہ اس کے لئے مولا کی ماں نے پہلے سے کشتی میں لگا کر رکھ دیا تھا، دلجیت نے دو روٹیاں دال کے ساتھ کھالیں، بھنا ہوا گوشت اور شامی کباب مولا کیلئے چھپا کے رکھ لئے،

کوئی ۹ بجے کے قریب مولا کی ماں نماز سے فارغ ہو کر اپنی کوٹھری میں جا کر بستر پر لیٹ گئی، اور اندر سے حسب معمول دروازہ بند کر لیا، جب سے مولا گیا تھا، دلجیت الگ کوٹھری میں رہنے لگی تھی، دلجیت نے بھی یہی کیا کہ چپ چاپ جا کر اپنی چارپائی پر بیٹھ گئی،

وہ اس انتظار میں بیٹھی تھی کہ مولا کی ماں سو لے، تو وہ گھر سے باہر قدم نکالے، قریب ایک گھنٹہ تک وہ چپ چاپ اپنی چارپائی پر بیٹھی رہی، اور اتنے عرصہ میں نہ جانے کتنی دفعہ اس نے ہندر کو گود لیا۔ پیار کیا۔ چوما چاٹا، اسے لوریاں دیں دودھ پلایا، تھپکیاں دے دے کر سلایا، وہ سوتے سوتے چونک پڑا، اور رونے لگا، وہ پھر اسے گود میں لے کر کہنے لگی آج کتنے دنوں کے بعد کتنی قیمت ادا کرنے کے بعد یہ پیارا سا ننھا منا سا بچہ ملا ہے، کیسے نہ اس کے ناز اٹھاؤں؟ اتنے میں گھڑیال نے دس بجائے۔

اور وہ چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی،

اس نے آہستہ سے زیر لب کہا،

ارے دس بج گئے ؟ ——— وہ انتظار کر رہے ہوں گے !

پھر وہ چپکے چپکے اپنی کوٹھری سے باہر نکلی، ایک نظر اس نے مولا کی ماں کی کوٹھری پر ڈالی، اور دبے پاؤں گھر سے نکل گئی،

آج کی رات کتنی بھیانک تھی؟

کتنی بھیانک ؟

کتنی خوفناک ؟

اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس کے پاؤں من من بھر کے ہو گئے تھے۔

لیکن وہ ایک سانس میں جھپا کا مار گھر سے نکلی، اور اپنے راستے پر سیدھی بڑھتی چلی گئی، وہ بار بار مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتی تھی، کہیں کسی کو پتہ تو نہیں چل گیا ؟ کہیں کسی نے دیکھ تو نہیں لیا ؟ کہیں کوئی تعاقب تو نہیں کر رہا ہے ؟

مثل مشہور ہے، چور کا دل کتنا ؟

یہی کیفیت اس وقت دلجیت کی تھی، پتہ بھی اگر کھڑکتا تھا تو اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگتا تھا۔

اس کی رفتار میں اور تیزی آجاتی تھی، جیسے اگر

کوئی اسے پکڑنے دوڑا تو وہ اس سے آگے ہی تو نکل جائے گی بس ــــــــــ!

---

(۱۲)

راستے میں!

دلجیت کے دل میں گھر سے درگاہ تک دو کیفیتیں نہایت شدت کے ساتھ طاری رہیں،

ایک تو دہشت

ہر ہر قدم پر اسے ڈر لگتا تھا، کہیں چوروں کی طرح بھاگتی

ہوئی وہ پکڑ نہ لی جائے۔ اور پھر کہیں دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے، دیس اور عزیز اقارب تو چھوٹ ہی چکے، اب اللہ تعالیٰ نے پناہ دی تھی، اور چوری کھل جانے کے بعد ان کا دروازہ بھی ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا۔

پھر کیا ہوگا؟

کیا پھر ادھر سے ادھر، یہاں سے وہاں، در بدر بھٹکنا پڑے گا؟ نئے نئے مردوں کا تجربہ کرنا پڑے، پھر ہوس گھات لگائے اور درندگی اسے اپنے پنجے میں دبوچ کر تباہی، بربادی کے غار میں دھکیل دے گی،

اور دوسری بات،

ایک خیال یہ بھی آتا تھا، کہیں مولا دھوکا نہ دے؟ کہیں وہ امرتسر کے بجائے، اسے کسی کوٹھے پر نہ پہونچا دے اپنی داشتہ نہ بنالے؟ مال تجارت بنا کر سوداہ شروع کر دے!

لیکن اس دوسرے خیال کو وہ شدت سے جھٹک دیتی تھی، اس خیال پر اسے خود اپنے اوپر شرم آنے لگتی تھی، اپنے وجود سے نفرت ہونے لگتی تھی،!

وہ سوچتی تھی!——!

میں کونسی عصمت مآب اور باآبرو ہوں؟ میرے پاس میرا

وہ کیا گیا ہے؟ میرا روپ کھرچ لیا گیا، میری جوانی نوچ لی گئی میرا رس چوس لیا گیا، جب تک شاخ پر تھی تب ہی تک پھول تھی، وہاں ایک جھٹکا دے کر توڑ لی گئی، تو پہلی سی بو باس کب تک رہ سکتی؟ پہلا سا رونگ روپ کیسے قائم رہے گا؟ پھر اس سے کیا بجٹ، کوئی سیج بنا کر بستر کی زینت بنائے گا، یا ہار گوندھ کر گلے کی رونق بڑھائے گا، شاخ سے ٹوٹتے ہی زندگی تو ختم ہو گئی، اب زندگی کی تمنا ئش رہ گئی ہے، اسے بہر حال جلد از جلد ختم ہونا چاہئے۔

لیکن یہ میں کیا سوچ رہی ہوں؟

کس کے لئے یہ ناپاک خیالات میرے دل میں آ رہے ہیں،

کیا مولا کے لئے؟

اللہ دتا کے بیٹے کے لئے؟

وہی اللہ دتا!

جس نے سب کی دشمنی مول لے کر مجھے اپنی لڑکی بنایا لڑکی کی طرح چاہا۔ میرے لئے اپنے لڑکے کا دشمن بن گیا۔ اسکے خون کا پیاسا ہو گیا۔

اور وہی مولا،

جس نے مجھ پر ایک مرتبہ بری نگاہ ڈالی، اور پھر اسکی نگاہ

میں پاکیزگی اور شرافت کے جلوے تیرنے لگے جیسے موقعے سے ملے تنہائی ملی، سناٹا ملا، لیکن اسکی نگاہ جھکی رہی۔ اس کے ہاتھ جنبش بھی نہ کرسکے، وہ ایک فرشتہ کی طرح چپ چاپ بیٹھا رہا، اس نے موقعہ حاصل ہوتے ہونے بھی کچھ نہ کہا۔

کہا ایسے مولا پر، بدگمانی کرنا شرافت کے دامن پر دھبہ لگانا نہیں ہے؟

یہی سوچتے سوچتے وہ درگاہ کے پاس پہونچ گئی، مولا صاحب وہیں ٹہل رہا تھا، اسے دیکھتے ہی بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

"آگئیں تم؟"

وہ آہستہ سے بولی،

"آگئی —— لیجئے!"

اور یہ کہہ کر اس نے، پوٹلی میں بندھا ہوا کھانا اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اس نے پوٹلی لیتے ہوئے پوچھا۔

"کھانا؟ —— بہت بھوک لگ رہی تھی"

"جی! —— کھالیں جلدی سے"

وہ وہیں بیٹھ گیا، اس نے خوب شکم سیر ہوکر کھایا پھر پانی پیا، ایک زوردار ڈکار لی، اور کہا،

"چلو —— کافی دیر ہوگئی!"

دلجیت نے کہا۔

"چلئے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں!"

مولا دلجیت کو لے کر چل پڑا

رات کافی بیت چکی تھی۔ راستہ بہت سنسان تھا، آدم نہ آدم زاد، ہو کا عالم، ایسی بھیانک رات دلجیت بیچاری نے شاید ہی کبھی دیکھی ہوگی، اس کے بدن کا رواں رواں کھڑا تھا۔ اس کی آواز حلق کے اندر کانپ رہی تھی۔ اس کے سارے بدن میں دہشت کی سنسنی طاری تھی، اس نے چلتے چلتے آہستہ سے کہا۔

"کیسی کالی رات ہے؟"

مولا نے پوچھا۔

"ڈر لگ رہا ہے؟ کیوں دلجیت؟"

وہ قریب آکر بولی،

"ہاں بہت زیادہ لگ رہا ہے"

مولا نے ایک قہقہہ لگایا۔ اس ویرانی اور سناٹے میں اس کا قہقہہ بھی بھیانک بن گیا تھا، دلجیت سہم گئی، اس نے کہا۔

"کیا ہے؟ اس طرح ہنس کیوں رہے ہو؟"

مولا، اور زور سے ہنسا،

اس نے کہا،

"ڈرنا بزدلوں کا کام ہے!"

وہ بولی

"تو میں جواں مرد کیسے بن جاؤں؟"

مولا کو پھر ہنسی آگئی،

"عورت کو بزدل نہیں ہونا چاہئے"

"وہ تو پیدائشی بزدل ہوتی ہے!"

"ہاں لیکن ہر عورت نہیں ——— جو عورت بزدل ہو وہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتی!"

کچھ دیر تک دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہے۔

مولا نے کہا۔

"دلجیت؟"

وہ بولی،

"کہئے ——— کیا ہے؟"

"کچھ باتیں کرو کہ زین کٹے؟"

"باتیں آپ کیجئے سنوں گی میں"

مولا نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"سنو گی؟ میری باتیں؟"

"ہاں ضرور! سنوں گی ——— کہئے"

"ایک بات پوچھوں؟"

"پوچھئے! کس نے منع کیا ہے؟"

بڑی درد بھری آواز میں اس نے کہا،

"تم مجھے نفرت تو نہیں کرتیں؟"

وہ حیرت سے بولی

"نفرت؟ آپ سے؟"

اس نے پھر بڑے سوز و گداز کے ساتھ کہا۔

"ہاں ——— بتاؤ!"

دلجیت کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔ لیکن اس نے قابو پاتے ہوئے کہا۔

"نہیں! بالکل نہیں!!"

مولا خوشی سے بے قابو ہو گیا۔

"سچ کہتی ہو، دلجیت؟"

"میں جھوٹ نہیں بولتی!"

مولا نے کہا،

"مانتا ہوں تم جھوٹ نہیں بولتیں ——— لیکن یقین نہیں آتا دلجیت!"

"کیوں؟ آخر کس لئے؟"

"دل ہی تو ہے ——— ڈرا ہوا، چوٹ کھایا ہوا، ٹوٹا ہوا"

"ایسا نہ کہئے! ایسا نہ کہئے۔"

بڑی حسرت کے ساتھ بولا،

"تم نہیں سننا چاہتیں، تو چپ ہو جاتا ہوں؟"

دلجیت کچھ دیر خاموش چلتی رہی، پھر کہنے لگی،

"یہ خیال کیوں آیا آپ کے دل میں؟"

"بتا دوں دلجیت؟"

"ہاں بتائیے نا! میں پوچھنا چاہتی ہوں"

وہ ہکلانے لگا،

"بات یہ ہے ——— یعنی بات یہ ہے میرا مطلب ہے یہ ہے کہ بات یہ ہے ———!"

دلجیت کو ہنسی آ گئی،

اس نے کہا،

"کہئے نا؟ آپ تو ہکلانے لگے"

مولا سنبھلا،

"بات یہ ہے کہ ———"

وہ خاموش ہو گیا

دلجیت نے پوچھا،

"چپ کیوں ہو گئے؟ کہئے!"

مولا نے پھر حواس مجتمع کئے،

"میرا مطلب یہ ہے کہ ——— یہ جانتی ہو، میں تم سے محبت کرتا ہوں!"

رکتے رکتے مولا نے سلسلہ کلام جاری رکھا،

"میں تم سے محبت کرتا ہوں، بہت زیادہ، بے انتہا، اتنی محبت، میں نے آج تک دنیا میں کسی سے نہیں کی!، تمہیں دیکھتا ہوں، تو میرا دل بلنے لگتا ہے، تمہاری باتیں سنتا ہوں تو میرا جیون ڈولنے لگتا ہے، تم پاس ہوتی ہو، تو کیا کہوں میری کیا حالت ہوتی ہے؟ تم نظروں سے اوجھل ہوتی ہو تو معلوم ہوتا ہے، میری کوئی قیمتی چیز کھو گئی ہے!

بڑی قیمتی چیز کھو گئی ہے!

اور اسے پائے بغیر مجھے سکھ نہیں ملے گا، میں دیوانہ ہو جاؤں گا،

میری زندگی ناکام ہو جائے گی!،

لیکن دلجیت ———

ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے، اتنی، اور ایسی محبت

کرتے ہوئے بھی جانتا ہوں، میں تمہیں نہیں پا سکتا، تم میری نہیں بن سکتیں، ہم دونوں اگر چاہیں تو بھی نہیں، ہمارے راستے میں ایک بہت بڑی ندی حائل ہے، اس ندی کو ہم کسی طرح بھی عبور نہیں کر سکتے،

اور وہ ندی ہے مذہب کی!"

اس ندی کو کوئی پار نہیں کر سکتا،

اس ندی پر پُل نہیں بنا سکتا،

اس ندی کو تیر کر پار نہیں کیا جا سکتا،

اس ندی کو چھلانگ لگا کر کودا نہیں جا سکتا،

جب یہ بات ہے تو ظاہر ہے تم مجھے نہیں چاہ سکتیں کسی طرح میری نہیں بن سکتیں، اور اتنا چاہنے کے باوجود تم سے دور رہنے پر مجبور ہوں، تمہیں جدا کرنے پر مجبور ہوں ہم دونوں ایک ندی کے دو کنارے ہیں، جو کبھی نہیں مل سکتے، چاہے ندی آہستہ آہستہ بہ رہی ہو یا اس میں سیلاب آیا ہوا ہو،

چاہے اس کا پاٹ کم ہو یا زیادہ ہو جائے؟

ہاں دلجیت،

تو تم مجھے نہیں چاہ سکتیں، میں تمہیں نہیں پا سکتا،

موقعے ملنے کے باوجود،

قابو پانے کے باوجود،

پھر میں کیا کروں؟

اگر میرے کانوں میں تم یہ امرت رس ٹپکا دو کہ تم مجھ سے نفرت نہیں کرتیں تو میرے لئے یہ بھی بہت ہے۔

میں سمجھوں گا مجھے محبت مل گئی،

مجھے دلجیت مل گئی،

میں نے سب کچھ پا لیا،

میں دنیا کا سب سے بڑا، سب سے خوش قسمت انسان ہوں۔"

دلجیت کی اس وقت عجیب کیفیت تھی،

مولا کا ایک ایک لفظ اس کے دل میں کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا، وہ واقعی اب مولا کو چاہنے لگی تھی، اسکی ایمان داری اور دیانت دیکھ کر اس کا دل اسے پیار کرنے لگا تھا چپکے چپکے!

وہ جب مولا کو دیکھ لیتی تھی تو خواہ مخواہ اس کا دل خوشی سے بھر جاتا تھا، جب مولا اس کی نظروں کے سامنے سے ہٹ جاتا تھا تو خواہ مخواہ اس کے دل پہ چوٹ سی لگتی تھی جب مولا باتیں کرتا تھا وہ چاہتی تھی وہ باتیں کئے جائے، زمانہ کی نبض رک جائے، وقت چلنا بند کر دے، گھڑی کی سوئی

بے کار ہو جائے اور؟

اور وہ باتیں کرتا ہے،

پھر جب وہ خاموش ہو جاتا تھا۔ تو اس خاموشی پر اس کا دل چیخ چیخ کر رونے کی کوشش کرتا تھا، مگر رو نہیں پاتا تھا،

وہ بھی مولا کی ہم خیال تھی،

مولا کو پیار کرنے کے باوجود وہ اس کی نہیں ہو سکتی تھی، اسے چاہنے کے باوجود وہ اسے اپنا نہیں بنا سکتی تھی، دل چاہے جتنا قریب ہو جائے، لیکن جسم دور ہی رہیں گے انہیں دور ہی رہنا چاہئے، ان کی زندگی اسی میں ہے کہ وہ دور رہیں!،

وہ یہ بھی جانتی تھی، ایک ندی ہے، بہت بڑی، جس کا کوئی اور چھور نہیں، جس کا پاٹ بڑا لمبا چوڑا ہے۔ اور یہ ندی مذہب کی ہے۔

اور یہ مذہب کی ندی دو غیر مذہب والوں کو ایک ہوتے نہیں دیکھ سکتی، یہی سب کچھ سوچ کر، وہ خود اپنے دل کی پاسبان اور نگہبان بن گئی تھی، وہ بڑی سختی سے اس کی نگرانی کرتی تھی، اور پل بھر بھی اسے ادھر سے ادھر نہیں ہونے دیتی تھی!،

ٹھیک ہے،

وہ محبت کرنے کے باوجود محبت نہیں کر سکتی، لیکن کیا وہ اس سے نفرت کرتی ہے؟ کیا وہ اس سے نفرت کر بھی سکتی ہے؟ اس نے جھنجھلا کر مولا سے ذرا کرخت لہجہ میں کہا،

"آپ نے یہ کیوں سوچا؟ ایسی بیہودہ بات آپ کے دل میں آئی کیسے؟ کیا آپ مجھے اتنا ذلیل سمجھتے ہیں؟"

مولا نے کہا،

"کیا ہوا دلجیت؟ میں نے کیا کیا؟"

دلجیت بولی

"آپ کا خیال ہے میں آپ سے نفرت کرتی ہوں؟ آپ نے یہ نہ سوچا، میں آپ سے نفرت کر ہی نہیں سکتی!"

مولا نے پوچھا،

"کیوں؟ کس لئے، نہیں کر سکتیں؟"

وہ بڑی سنجیدگی سے بولی،

"آپ سے اگر نفرت کروں تو بھگوان کو کیا منہ دکھاؤں گی؟"

پھر ذرا ٹھہر کر بولی،

"آپ سے نفرت کرنا بھگوان سے نفرت کرنا ہے!"

یہ میٹھے اور سریلے بول سنکر مولا کا دل چاہا کہ وہ دلجیت

کے سامنے سجدہ میں گر پڑے، لیکن وہ وہیں راستے میں خدا کے سامنے سربہ سجود ہو گیا، اس نے کانپتی ہوئی آواز اور لرزتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ کہا،

"خدایا تیرا شکر ہے! ——— بس تو نے وہ سب کچھ مجھے دیدیا، جو میں چاہتا تھا، جو میں چاہ سکتا تھا، اب میں کچھ نہیں چاہتا، اب میں کچھ نہیں مانگتا!"

دلجیت نے بازو پکڑ کر مولا کو سجدہ سے اٹھایا اور کہا۔

"ارے یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا"

مولا نے سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے کہا،

"یہاں خدا کے سوا دیکھنے والا کون ہے؟ اور میں اسی کو دیکھ رہا ہوں، اسی کو سنا رہا ہوں"

وہ اٹھ کھڑا ہوا،

اور دونوں پھر چلنے لگے، ساتھ ساتھ لیکن الگ الگ، بالکل خاموش،

وہ سائے تھے، جو رات کے اندھیرے میں اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے تھے، دونوں کی روحیں ایک ہو چکی تھیں لیکن ——— لیکن جسم الگ تھے، انھیں الگ ہی رہنا

چاہئے تھا۔

راستہ چلتے چلتے مولا کھٹکا، دلجیت ڈر گئی، اس نے گھبرا کر پوچھا،

"کیا ہے؟ آپ رک کیوں گئے؟"

وہ مسکرایا

"کچھ نہیں ——— تم تھک تو نہیں گئیں؟"

"نہیں"

"تکلف نہ کرو دلجیت، اگر تھک گئی ہو تو ذرا دیر ستا لیں پھر آگے بڑھیں!"

دلجیت سچ مچ تھک گئی تھی، اس نے کہا،

"ستا لیجئے تھک تو گئی ہوں،

دونوں ایک چھوٹے سے ٹیلے پر بیٹھ گئے، چاند پورے جوبن پر تھا، چاندنی اس لق و دق صحرا میں اس طرح بکھری ہوئی تھی جیسے کسی نے چاندی کا فرش بچھا دیا ہو، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں، فضا بالکل خاموش تھی، زمین بالکل خاموش تھی، آسمان بالکل خاموش تھا، لیکن دور سے کبھی کبھی کسی جانور کی آواز آجاتی تھی اور بس، دونوں ایک دوسرے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے،

مولا نے کہا،

کس طرح انجام دے لوں ؟"

دلجیت ، ایک سنگی مجسمہ کی طرح خاموش بیٹھی تھی ، جیسے وہ بولنا چاہتی ہی نہیں ، جیسے اس کے ہونٹ سیئے ہوئے ہیں ، اس کے دل میں طوفان اٹھ رہا تھا ، جو اچھل پڑ رہی تھی اسے دیکھنے والا کوئی نہیں تھا ——— کوئی نہیں تھا

مولا اٹھ کھڑا ہوا۔

" چلو دلجیت چلیں !"

وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی ،

اور دونوں نے پھر اپنا سفر شروع کر دیا ، دونوں پھر اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگے

دونوں چلتے رہے ، چلتے رہے ——— جب بہت تھک جاتے تو چال دھیمی کر دیتے ، یہاں تک کہ چاند سورج کے لئے جگہ خالی کر کے نیچے کھسکنے لگا ،

ساتھ دریا تھا !

اور دریا کے سامنے ذرا فاصلہ پر وہی ٹوٹی پھوٹی مسجد تھی !

مولا نے کہا۔

" دلجیت ہمارا پڑاؤ آ گیا "

وہ بولی ،

" دلجیت ؟ کتنا اچھا موسم ہے ؟ "

وہ بولی ،

" ہاں بہت اچھا بہت خوشگوار "

اس نے کہا۔

" یہ منظر تو دل میں کھبا جاتا ہے "

کہنے لگی ،

" سچ مچ بڑا پیارا منظر ہے "

وہ بولا ،

" لوگ اس منظر کے لئے ، اس موسم کے لئے ترستے ہیں ہیں قدرت نے یہ نعمت تو دے دی ، لیکن اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دی ——— دلجیت خفا نہ ہو ، تم اطمینان رکھو ، میں اللہ دتا کا بیٹا ہوں ، میرا نام مولا ہے پاکستان میرا وطن ہے ، اسلام میرا مذہب ہے ان سب کی لاج مجھے رکھنی ہے ، ان سب کی لاج میں رکھوں گا۔

پھر کہنے لگا ،

لیکن دل اگر روئے ——— اگر روئے تو اس کی چیخ دبا سکتا ہوں ، لیکن اسے رونے سے نہیں روک سکتا ———

پھر بولا۔

جو میرے بس میں ہے کرتا ہوں ، جو قدرت کا کام ہے اسے

"کیا پڑاؤ"

اس نے مسجد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھ رہی ہو وہ کیا ہے؟"

"ہاں مسجد دکھتی ہے!"

"ٹھیک سمجھیں وہ مسجد ہے ــــــ وہاں چل کر ذرا ہم سستائیں گے، پھر یہاں ہمارا ایک دوست مچھیرا رہتا ہے وہ دیکھو اسکی چھوٹی سی ناؤ بندھی ہوئی ہے، اس پر دریا پار کریں گے، اور پھر تم اپنے دیس میں ہوگی!"

دلجیت بولی،

"اگر مچھیرے نے اپنی ناؤ نہ دی؟"

"ہم لے لیں گے وہ ہمارا دوست ہے!"

اب مسجد بالکل قریب آگئی تھی، مولا نے دلجیت سے کہا،

"یہ تو بتاؤ، جیب میں کچھ ہے بھی؟"

وہ مسکرائی

"کیا مطلب؟ کیا ہونا چاہئے میری جیب میں؟"

اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا،

"مطلب یہ کہ اگر دو چار روپے کی ضرورت پڑ ہی جائے تو اور میرا خیال ہے کہ وہ ضرورت پڑ کر رہے گی!"

دلجیت ہنسنے لگی،

"دو چار نہیں میرے پاس پورے ۴۵ روپے ہیں"

"پینتالیس روپے" یہ تو بڑی رقم مار لائیں تم"

"ہاں بابا نے دیئے تھے، مختلف موقعوں پر"

"یہ تو بہت ہوئے پھر تو راوی چین ہی چین لکھتا ہے"

دلجیت نے روپے نکال کر مولا کے ہاتھ پر رکھے،

"یہ لیجئے! اپنے پاس رکھ لیں"

اس نے پانچ روپے لے لئے باقی واپس کر دیئے وہ بولی

"یہ نہیں ہو سکتا، یہ آپ ہی اپنے پاس رکھیں گے ــــــ مجھے ان کی نہ کبھی ضرورت تھی نہ آئندہ پڑے گی، ــــــ بابا نے زبردستی کبھی پانچ کبھی دس مجھے دے کر اتنا بڑا خزانہ میرے پاس جمع کرا دیا، جو میرے لئے بالکل بیکار ہے"

اور بابا کا نام لیتے لیتے وہ پھر رونے لگی، مولا نے کہا،

"ارے بھئی یہ کیا؟ یہ آنکھوں سے موتی کیوں برسانے لگیں تم؟"

دلجیت نے رندھی ہوئی آواز میں کہا،

"بابا بہت یاد آتے ہیں!"

"سچ؟۔ واقعی؟"

"ہاں ——— وہ بہت یاد آئیں گے انھیں کبھی نہ بھول سکوں گی!"

مولا نے کہا،

"بابا مجھ سے زیادہ خوش قسمت ہیں!"

دلجیت خفا ہو گئی،

"آپ ان کے ساتھ اپنے آپ کو کیوں ملانے لگتے ہیں!"

"غلطی کرتا ہوں؟ معاف کر دو"

"اور کیا ——— وہ وہ ہیں، اور آپ، آپ"

مولا کی طبیعت اس وقت حاضر تھی،

اس نے کہا،

"بڑی مزے کی بات کر گئیں، میں سنوں تو میں خوش بابا سنیں تو انکی باچھیں کھل جائیں، اسے کہتے ہیں ایک تیر میں دو شکار ——— بڑی سمجھدار ہو گئی۔ دلجیت تم تو!"

دلجیت نے ذرا خفا ہوتے ہوئے کہا،

"اب آپ مجھے بنانے لگے!"

مولا نے جواب دیا۔

"توبہ کرو کہیں ایسا ہو سکتا ہے؟ میں تو تمہیں داد دے رہا

تھا!"

"تو کیا یہ کوئی شعر تھا"

"یقیناً ——— بہت اچھا بڑے مزے کا"

اب دونوں مسجد میں آ چکے تھے، اور کمبل کے اطمینان سے بیٹھ چکے تھے،

دلجیت نے کہا۔

"یہاں سے کب روانہ ہوں گے ہم؟"

مولا نے بچھتہ فرش پر لیٹتے ہوئے کہا۔

"چلیں گے، صبح ہوتے ہوئے، ابھی تو دو گھنٹہ سے زیادہ وقت ہے، ذرا سستا لو، میں بھی ذرا ایک جھپکی لے لوں!"

دلجیت کو مولا پر ترس آیا۔

"آپ بہت تھک گئے ہوں گے، سو رہئے، تھوڑی دیر!"

اس نے چادر اوڑھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ ——— نیند کے مارے آنکھیں بند ہوئی جا رہی ہیں"

دلجیت بولی،

"لیکن زیادہ گہری نیند نہ سوئیے گا!"

"یہ کیوں بھلا؟ اس حکم کی مصلحت؟"

"مجھے ڈر لگے گا؟
وہ اٹھ بیٹھا۔
"ڈر لگے گا؟ تو میں سوتا ہی نہیں پھر"

وہ بھی ہوئی بولی
"ہاں"، میں بہت ڈرتی ہوں"، لیکن آپ سو جائیے"
اس نے چادر پھر کاندھے پر ڈال لی،
"ابھی نہیں سوئیں گے ۔۔۔۔۔۔"
دلجیت بولی،
"تھوڑی دیر سو رہئے، میں جاگتی ہوں!"
"لیکن اگر تمہیں ڈر لگا ۔۔۔۔۔۔ اور میں جاگتا ہوں ۔۔۔۔۔۔"
اس نے پوچھا۔
"کیا جلتے ہیں؟"
"بتاؤ بھی مفت میں اور ڈر جاؤ گی"
"نہیں ڈروں گی کہہ دیجئے!"
مولا نے کہا
"اس مسجد میں جنات رہتے ہیں!"
"جنات؟ ۔۔۔۔۔۔ سچ کہئے؟"

بڑی مشکل سے یہ لفظ دلجیت کی زبان سے نکلے۔ واقعی وہ بہت زیادہ ڈر گئی تھی،
مولا نے کہا
"ہاں۔ پچھلی دفعہ جب میں یہاں آیا تھا، تو میں نے خود دیکھا تھا"
وہ اور ڈر گئی،
"پھر اس دفعہ یہاں کیوں آئے؟"
"اور کہاں جاتے؟"
"چلئے، ناؤ تو کھلی ہوئی ہے، دریا کے کنارے کنارے کھول کر چلیں"
مولا نے سمجھاتے ہوئے کہا،
"چلیں تو، ایک دفعہ نہیں دس بار، لیکن ندی کے پار بھی تو ۔۔۔۔۔۔"
وہ پھر خاموش ہو گیا
دلجیت نے پوچھا۔
"ندی کے پار کیا ہے؟ ۔۔۔۔۔۔ کیا وہاں بھی ۔۔۔۔۔۔؟"
وہ بہت زیادہ سہمی ہوئی نظر آ رہی تھی، مولا نے کہا۔
"وہاں؟ وہاں بھوت ہیں، اور جب تک پو نہیں پھٹ جاتی، طرح طرح کے ناچ ناچتے اور گانے گاتے رہتے ہیں!"
دلجیت کے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں،

وہ اٹھ کھڑی ہوئی،

مولا نے پوچھا،

"کہاں چلیں؟ ——— کدھر؟"

وہ کانپتی ہوئی بولی،

"چلئے ——— اٹھئے بس"

"لیکن کہاں؟"

"ناؤ میں بیٹھیں گے چل کر،!"

مولا ہنس پڑا،

"ہاں یہ درمیانی راستہ تم نے اچھا نکالا۔ ذرا دیر بیٹھو پھر چلتے ہیں!"

وہ روٹھ کر بولی

"ذرا دیر بیٹھنے کی کیا ضرورت ہے؟"

مولا مسکراتے ہوئے کہا،

"تمہاری پریشانی سے ذرا لطف آتا ہے"

پگلی خدا کے گھر میں ڈر کیسا؟ ناؤ البتہ ہے ڈرنے کی جگہ"

دلجیت سوالیہ نظروں سے، مولا کو دیکھنے لگی،

مولا نے کہا

"اور کیا ——— دیکھ رہی ہو کتنی خوفناک اور خطرناک جگہ ہے، اور یہ ندی بھی معمولی نہیں، اس میں مگرمچھ

گھڑیال، نمکے، سب ہی رہتے ہیں، اور کسی کی ان میں سے طبیعت لہر آئی اور اس نے کشتی کے قریب آکر مجھ سے یا تم سے مصافحہ کی کوشش کی تو کیا ہوگا،

دلجیت کو ہنسی آگئی، اس نے کہا

"آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں ——— جایئے میں نہیں ڈرتی کسی سے چاہے یہاں بیٹھئے چاہے وہاں چلئے!"

مولا نے اس کی پیٹھ ٹھونکی اور کہا،

"شاباش، شیر دل عورتیں ایسی ہوتی ہیں ———"

"اچھا تمہارا کہنا سہی، چلو وہیں چلتے ہیں، آؤ!"

اب صبح ہو چلی تھی دونوں آکر ناؤ میں بیٹھ گئے، مولا نے ناؤ کھولی ہی تھی کہ مچھیرا آگیا، اس نے کہا۔

"ارے آج پھر تم ———؟"

مولا نے مسکراتے ہوئے کہا

"ہاں بھئی کیا کریں ——— یہ تمہاری بہن کسی طرح مانتی ہی نہیں، بڑا سیر سپاٹے کا شوق ہے، ان کو!"

مچھیرا مسکرانے لگا۔ اس نے خیال کیا، یہ دونوں میاں بیوی ہیں، مولا نے کہا،

"بھئی ایک تکلیف کرو ——— معلوم ہوتا ہے کہ آج تمہیں ابھی سے کام ہے، چلو ہمیں کنارے پہنچا کر چلے آؤ

یہ لو اپنی مزدوری !"

مولا نے دو روپے مچھیرے کے ہاتھ پر رکھے وہ غڑاپ سے آکر ناؤ میں بیٹھا اور ایک گیت گنگناتا ہوا پانی کے سینے پر کو دون دلت، ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف روانہ ہوگیا!

---

(۱۳)

ایسا بھی ہوتا ہے!

صبح کو، مولا کی ماں نماز پڑھ کر کمرہ سے باہر نکلی اور یہ دیکھکر حیران رہ گئی، کہ دلجیت ابتک اپنی کوٹھری سے باہر نہیں نکلی روزانہ وہ اب تک چولہا جلا کر چائے گرم کر چکی ہوتی تھی، آج اب تک سناٹا پڑا ہوا تھا، اس کے دل میں کھٹکا پیدا ہوا، کہیں بیمار تو نہیں ہوگئی، بیتابی کے ساتھ آگے بڑھی، فوراً دلجیت کے کمرے

میں دلجیت کو پکارتی ہوئی پہونچیں، لیکن دلجیت وہاں ہوتی تو جواب دیتی، وہ خود ہی کہنے لگیں،

"یہاں تو نہیں ہے، پھر کہاں گئی؟"

باہر نکلیں تو اللہ دتا آچکے تھے، انھوں نے بیوی کو پریشان و مضطرب دیکھا، تو پوچھا،

"کیا بات ہے؟ کیوں پریشان نظر آ رہی ہو؟"

وہ بولی،

"دلجیت نہیں ملتی!"

"کیا کہہ رہی ہو؟ یہیں کہیں ہوگی!"

رُوہانسی ہو کر بولیں،

"کہہ رہی ہوں نہیں ہے!"

اب تو اللہ دتا کو بھی کو پریشانی ہوئی،

"جوان جہان لڑکی کہاں چلی گئی؟"

مولا کی ماں رو رہی تھی، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی، اس نے کہا۔

"وہ گئی! —— چلی گئی شائد"

اللہ دتا نے کہا،

"ہاں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے!"

وہ روتے روتے کہنے لگیں،

"اب مولا کو کیا منہ دکھاؤں گی؟"

اس بات سے اللہ دتا کے دل پر بھی چوٹ لگی،

انھوں نے کہا،

"واقعی اسے بھی بہت صدمہ ہوگا؟"

"صدمہ ہوگا؟ ارے وہ اپنی جان دے دے گا!"

"مجھے بھی یہی اندیشہ ہے!"

بڑی دیر تک میاں بیوی چپ چاپ بیٹھے رہے، جیسے رات کو چور آئے ہوں، اور گھر کی ساری پونجی اڑا لے گئے ہوں، اور اب کف افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ گیا ہو، آخر اللہ دتا نے قفل سکوت توڑا۔

"میں کہتا ہوں وہ چلی کہاں گئی؟"

"یہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں"

ان باتوں میں اچھا خاصا دن چڑھ آیا تھا،

اللہ دتا نے کہا

"وہ دیوی تھی —— ہمارا گھر اس قابل نہیں تھا کہ وہ یہاں رہتی!"

بیوی بگڑ گئیں،

"یہ باتیں چھوڑو —— جاؤ ذرا اسے ڈھونڈو!"

"لیکن کہاں جاؤں؟"

"کہیں نہ کہیں تو ہوگی"

"کہاں ہوگی؟ ——— گھر سے کھیت، اور کھیت سے گھر، یہی اس کی رہگذر تھی، اور وہ بھلا جاتی کہاں تھی؟ ——— پھر پوچھوں کس سے؟ یہ کہتے ہوئے بھی لاج آتی ہے، دلجیت، ہمارے گھر سے ہمیں چھوڑ کر چلی گئی"

اور جس وقت یہ باتیں ہو رہی تھیں، چادر میں لپٹی ہوئی ایک خوبصورت عورت، اور کالے رنگ کی ایک پگڑی باندھے اور ایک کرپان ہاتھ میں لئے ایک مرد، دونوں ایک دوسرے کے قریب قریب چل رہے تھے،

وہ عورت دلجیت تھی،

وہ مرد مولا تھا، جس نے اپنا نام اوتار سنگھ رکھ لیا تھا

یہ دونوں امرتسر کی مختلف سڑکوں کا چکر لگاتے ہوئے سردار دلیپ سنگھ کے گھر پہونچے، سردار صاحب نے دلجیت کو دیکھا اور ان پر ایک سکتہ کی سی کیفیت طاری ہوگئی جب تک دلجیت نہیں ملی تھی، وہ اس کے لئے روتے رہتے تھے۔ اسی کے انتقام کی خاطر نہ جانے کتنی مسلمان عورتوں کو انھوں نے خراب کر ڈالا تھا ننگا ناچ نچا ڈالا تھا لیکن اب وہ اسے پاکر چکرا گئے آگے بڑھیں یا پیچھے ہٹ

جائیں، استقبال کریں، یا دھتکار دیں، گھر کا دروازہ کھول دیں یا پٹ زور سے بند کر دیں؟ کلیجے سے لگا لیں، یا دھکا دے کر پیچھے گرا دیں؟

دلجیت کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے، وہ اپنے سگے بھائی کے سامنے کھڑی تھی، اور وہ بے مہری کے ساتھ چپ چاپ کھڑا ہوا تھا۔

اور اوتار سنگھ تصویر حیرت بنا یہ عجیب و غریب منظر دیکھ رہا تھا۔ ایک بھائی، اپنی بچھڑی ہوئی بہن سے اس سرد مہری کا برتاؤ کر سکتا ہے؟

عین اسی عالم میں سردارنی آگئیں، صاف معلوم ہو رہا تھا۔ دلجیت کو دیکھ کر وہ ذرا بھی خوش نہیں ہوئیں، ان کے چہرے پر کراہت کے آثار پیدا ہوئے، اور کھڑے کھڑے انھوں نے پوچھا،

"تم آگئیں دلجیت"

دلجیت اب تک رو رہی تھی

یہاں وہ کتنی امنگوں اور آرزوؤں کے ساتھ آئی تھی، بھائی کے لئے، بھابی کے لئے، اور سب سے بڑھ کر مہندر کے لئے لیکن آج کیا حالت تھی، مہندر نظر نہیں آرہا تھا، بھابی نے سیدھے منہ بات نہ کی، اور بھائی اب تک کھڑا سوچ رہا تھا کہ وہ

کیا کرے؟ اور بہن ایک ملزم اور مجرم کی طرح کھڑی چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی،

دلجیت دل ہی دل میں سوچنے لگی، کیا میں مجرم ہوں؟ کیا میں نے کوئی پاپ کیا ہے؟ پھر ان سب کی نظر کیوں بدلی ہوئی ہے؟

اور سردار صاحب دل ہی دل میں غور کر رہے تھے، دلجیت میری بہن ہے —— ہے نہیں —— تھی! اب میں اسے اپنی بہن کس طرح کہہ سکتا ہوں؟ اب وہ اس گھر میں کس طرح رہ سکتی ہے؟ میں ہم چشموں کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ لوگ کیا کہیں گے؟ میری عزت اور سرداری پر خاک پڑ جائے گی میری اکڑی ہوئی گردن جھک جائے گی۔

اور سردارنی کے دل میں خیال آ رہا تھا۔ یہ کلموہی میرے سامنے کھڑی ہے
کتنی منحوس ہے یہ!

یہ وہی تو ہے جس نے میرے بھائی کو کھا لیا۔ اب کیا یہ مجھے یا میرے شوہر کو کھانے آئی ہے؟ میں اسے نہیں رکھ سکتی ہرگز نہیں، رکھوں گی،

اور اوتار کے دل میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی اس کا جی چاہ رہا تھا۔ اپنی کرپان سے ان انسان نما حیوانوں کی چھاتی چھید

دے، لیکن وہ اب تک ضبط سے کام لے رہا تھا،

اتنے میں اندر سے کسی بچے کے رونے کی آواز آئی، یہ مہندر تھا۔

دلجیت بجلی کی تیزی سے مہندر کی آواز سن کر بھاگی اور بھابی سے کچھ کہے سنے بغیر اندر گئی۔ وہاں عفت اسے گود میں لئے کھلا رہی تھی، دلجیت نے بڑی بے رخی بلکہ قدرے برہمی کے ساتھ مہندر کو اس سے چھین لیا۔ اور کلیجے سے لگا کر رونے لگی۔

مہندر نے ماں کو دیکھا، نہ جانے پہچانا یا نہیں، لیکن ماں کی گود میں جاتے ہی مسکرانے لگا۔ انگوٹھا چوسنے لگا۔ جیسے اس کا سارا غصہ کافور ہو گیا۔ جیسے اسے کوئی بہت بڑی نعمت مل گئی۔

عفت حیرت سے کھڑی یہ تماشہ دیکھ رہی تھی، اس کا جی چاہ رہا تھا۔ اس اجنبی عورت سے اپنے مہندر کو نہیں انور کو چھین لے۔ وہ ایک آدھ قدم اس ارادہ سے بڑھی بھی لیکن نہ جانے کیا سوچ کر چپ رہی۔ لیکن اپنی بے بسی پر اسے رونا آ گیا وہ رونے لگی۔ دلجیت نے اسے روتا دیکھا تو پوچھا۔

"تم رو کیوں رہی ہو؟"

عفت نے کہا،

"تم نے میرا بچہ کیوں چھین لیا؟"

دلجیت نے ہمدردی سے عفت کی طرف دیکھا اور کہا،

"یہ میرا بچہ ہے ہندر!"

وہ بولی۔

"نہیں یہ میرا بچہ ہے، انور!"

"انور؟"

"ہاں، انور۔ میرا انور"

دلجیت بولی۔

"بہن یہ ہندر ہے، میں دلجیت ہوں، اس کی ماں!"

عفت بے تابی کے ساتھ ہندر کی طرف لپکی اور کہنے لگی،

"اچھا مان لیا یہ ہندر ہے۔ تم اس کی ماں ہو، لیکن مجھے بھی اس کی ماں مان لو، میرے بچہ کو سکھوں نے مار ڈالا قیمہ قیمہ کر دیا۔ یہ بالکل ویسا ہی ہے اور میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں میں نے اسے تمہاری عدم موجودگی میں بالکل ماں کی طرح پالا ہے یہ میرا نہیں تمہارا ہے لیکن میری گود اس کی ہے میری گود کو نہ توڑ جاؤ ——— لاؤ دے دو! میری بہن ——— میری اچھی بہن، میری پیاری بہن!"

وہ دیوانہ وار لپکی!

دلجیت کا دل پگھل گیا۔

اس نے ہندر کو عفت کی گود میں دیتے ہوئے کہا،

میرا ہوتے ہوئے بھی یہ بچہ تمہارا ہے، تم اسے گود میں لو

پالو، کھلاؤ ——— ہاں کبھی کبھی میری ٹھنڈی گود کو بھی گرم کر دیا کرو!"

دونوں میں دوستی ہو گئی!

دو مظلوم جب مل جاتے ہیں تو وہ بہت بڑے گہرے دوست بن جاتے ہیں!

اور باہر سردار دلیپ سنگھ، سردار اوتار سنگھ سے پوچھ رہے تھے۔

"آپ کا شبھ نام؟"

اس نے جواب دیا۔

"مجھے اوتار سنگھ کہتے ہیں ——— دلجیت کی حالت مجھے دیکھی نہ گئی، مجھے زبردستی مسلمان کر لیا گیا تھا۔ شائد میں وہیں رہ جاتا۔ لیکن دلجیت کو دیکھ کر میرا خون کھولنے لگا اور میں اسے لیکر یہاں آ گیا۔ اسے آپ سے ملنے کا، اپنی بھابی کو دیکھنے کا اپنے بیٹے ہندر کو پیار کرنے کا کتنا اشتیاق تھا، مجھے خوشی ہے کہ اس کی تمنا پوری ہو گئی،

مجھے فخر ہے کہ یہ کام مجھ سے بن آیا"

اوتار سنگھ اس وقت جوش میں تھا، شائد وہ ابھی کچھ اور بھی کہتا۔ مگر سردار دلیپ سنگھ نے دخل در معقولات کرتے ہوئے کہا،

"آپ کا شکریہ! بہت بہت شکریہ"

اوتار نے کہا۔

"یہ کہہ کر آپ نے میرے دل پر چوٹ لگائی، فرض شکریہ کا محتاج نہیں ہوتا، میں نے صرف اپنا فرض ادا کیا ہے اور بس"

سردارنی بولیں،

"ہمارا بھی فرض ہے کہ آپ کا شکریہ ادا کریں!"

سردار دلیپ سنگھ گویا ہوئے،

"آئیے بیٹھئے! تشریف رکھئے"

اوتار نے کہا،

"میرا کام ہوگیا، ٹھہر کر کیا کروں گا، اب اجازت دیجئے"

سردار بولے،

"واہ صاحب یہ کبھی نہیں ہوسکتا!"

اوتار نے کہا۔

"آپ کی محبت کا شکریہ ادا کرتا ہوں، لیکن میں بھی اتنے دنوں کے بعد آیا ہوں، میرا دل بھی اپنے ماں باپ کے لئے، گھر والوں کے لئے مچل رہا ہے۔ جی چاہتا ہے اڑ کر ان کے پاس پہونچ جاؤں۔"

سردارنی نے سردار کی طرف نگاہ غلط انداز سے دیکھتے ہوئے

کہا۔

"آپ کے سب عزیز یہیں ہیں ——— ہندوستان میں؟

"ماں، باپ، بھائی بہن، بیوی سب؟"

اوتار نے جواب دیا،

"ماں باپ ہیں، بھائی بہن کوئی نہیں، شادی میں نے ابھی کی نہیں!"

سردارنی نے پھر سردار کو دیکھا اور کہا۔

"آپ کو دو ایک دن ضرور یہاں رہنا پڑے گا، پھر چلے جایئے گا!"

سردار بولے،

"ہاں صاحب، یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ چلے جائیں، آئیے تشریف لائیے!"

اوتار بے بس ہوگیا۔ وہ سردار کے ساتھ ان کی مردانہ بیٹھک میں آیا، سردار نے اپنی بیوی سے کہا۔

"ان کے لئے کچھ کھانے وانے کا تو بندوبست کرو!"

وہ بولیں،

"ابھی لائی! بس چٹکی بجاتے میں"

اور اندر چلی گئیں،

اندر جاکر انھوں نے دیکھا، اور دیکھ کر جل ہی تو گئیں، کہ دلجیت اور عفت پاس پاس بیٹھی گھل مل کے باتیں کر رہی ہیں۔

دلجیت لاجو نہیں تھی،

لاجو کو انھوں نے معاف کر دیا تھا۔ مگر دلجیت کے لئے گرگِ باراں دیدہ روزِ اوّل ضروری تھا۔

انھوں نے غصّہ بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"دلجیت؟"

وہ بولی۔

"جی —— فرمائیے؟"

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں یونہی بیٹھی ہوں"

سردارنی بولیں،

"کلنک کا اتنا بڑا ٹیکہ لگا کے آئی ہو کہ عمر بھر چھوٹے نہیں چھوٹے گا"

دلجیت کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، سردارنی نے کہا۔

جن مسلمانوں نے تمہاری لاج لوٹی، اس قوم کی ایک بے آبرو عورت سے بیٹھی پینگ بڑھا رہی ہو،

پھر بولیں،

"تمہیں شرم نہیں آتی؟ —— اور دیکھو، یہ میرا گھر ہے، اور یہاں یہ تماشہ نہیں ہو سکتا —— خبردار جواب کے بعد میں نے تم دونوں کو اکٹھا دیکھا!"

دونوں سہم گئیں۔

دلجیت بھی اور عفت بھی،

سردارنی باورچی خانہ میں اوتار کے لئے کھانا لینے چلی گئیں جاتے جاتے انھوں نے عفت سے کہا،

"تو گلاس دھو کر جلدی سے پانی لا"

عفت باہر پانی لے کر پہونچی اور اس نے اوتار کے سامنے گلاس رکھ دیا۔ اتنے میں کچھ پولیس کے سپاہی چند مسلمانوں کے ساتھ پہونچے ایک مسلمان نے کہا،

"گورنمنٹ کے سمجھوتہ کے مطابق اغوا شدہ عورتوں کی کھوج میں ہم ادھر آئے ہیں، ہمیں معلوم ہوا ہے ایک مسلمان لڑکی آپ کے پاس ہے؟"

سردار صاحب اس اچانک حملہ کے لئے تیار نہیں تھے، وہ گھبرا گئے،

انھوں نے کہا،

"جی؟ مسلمان لڑکی؟"

وہ مسلمان بولا،

rekhta

"جی جناب! مسلمان لڑکی، آپ کے گھر میں"

سردار صاحب نے کہا۔

"آپ کو کس نے اطلاع دی؟"

شاید یہ بات کچھ بڑھتی، مگر سردارنی صاحبہ عفت سے بالکل عاجز آ چکی تھیں، اور اسے آج دلجیت کے ساتھ باتیں کرتے دیکھ کے بہت برہم تھیں، اتفاق سے دلجیت بھی ادھر آ گئی تھی، اور ایک گوشہ میں کھڑی تھی، وہ سمجھیں یہ عفت ہی تاک میں آئی ہے، فوراً فیصلہ کر لیا اس پاپ کے کانٹے کو اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا منہ بگاڑتی ہوئی عفت کی طرف اشارہ کرتی ہوئی کہنے لگیں

"یہ رہی آپ کی مسلمان بہن، لے جائیے اسے ——— ہمیں نہیں چاہئے"

مسلمانوں نے عفت سے کہا،

"چلئے بہن! ——— آئیے ہمارے ساتھ چلئے"

وہ بولی

"میں نہیں جاؤں گی!"

شرمندگی اور غصہ سے مسلمان کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ اس نے بڑی ملائمت سے کہا،

"کیوں نہیں جاؤ گی؟"

وہ بولی

"بس نہیں جاتی، میری مرضی!"

ایک دوسرے مسلمان نے کہا۔

"یہ نہ کہو بہن ——— تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہی پڑے گا!"

وہ خفا ہو کر بولی،

"مجھے کوئی نہیں لے جا سکتا۔ میں نہیں جاؤں گی ——— تم اپنے آپکو مسلمان کہتے ہو، ہندو کہتے ہو، سکھ کہتے ہو لیکن مجھے پہلے یہ بتاؤ، تم میں کوئی انسان بھی ہے؟ کوئی ایسا بھی ہے جسے انسان کہہ سکیں؟"

عفت اس وقت بڑے جوش میں تھی اس نے کہا۔

"تم وہی تو ہو جنھوں نے عورتوں کی عصمت لوٹی، بچوں کو ذبح کیا، جوانوں کے تکے بوٹی کر ڈالے بوڑھوں پر بھی رحم نہیں کیا،

پھر بھی تم کہتے ہو،

ہم ہندو ہیں!

ہم مسلمان ہیں!

ہم سکھ ہیں،

اگر یہی بات ہے تو میں ہندو دھرم اور سکھ پنتھ کے بارے

میں تو کچھ نہیں کہتی، اس لئے کہ جانتی نہیں، لیکن اگر اسلام یہی ہے تو میں ایسے اسلام کو دور سے سلام کرتی ہوں۔

تم جاؤ!

میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی،

یہاں میں اپنی عصمت لٹا رہی ہوں، لٹاتی رہوں گی، کوڑیوں کے مول۔

مفت! ——— بالکل مفت"

ذرا کے ذرا رک کر بولی،

"یہاں مجھ پر اس لئے ظلم ہو رہا ہے کہ وہاں ہندو اور سکھ عورتیں نہ بچ سکیں۔ وہ اس لئے نہ بچ سکیں کہ مجھ پر یہاں ظلم ہو رہا ہے!

یہ کتنا ہولناک چکر ہے!

کیا یہ کبھی ختم نہ ہوگا؟

اسلام کے نمائندے صاحب، آپ اپنے اسلام سمیت تشریف لے جائیے"

پھر اس نے کہا،

"تمہارے ساتھ اگر کچھ مظلوم ہندو اور سکھ عورتیں ہوتیں پھر تم مجھے لینے آتے، تو میں سر کے بل تمہارے ساتھ چلتی۔

میرے اسلام میں اور تمہارے اسلام میں فرق ہے،

زمین آسمان کا فرق۔

میرا اسلام امرت کور بن جانے کے باوجود محمد کا اسلام ہے، جو عورت کا احترام سکھاتا ہے!

اور تمہارا اسلام؟

تمہارا اسلام روایات کا اسلام ہے جو جوشِ انتقام میں اسلام کی رُوح کو کچل دیتا ہے، تم مسلمان نہیں ہو اسلام کے قاتل ہو، جاؤ بھاگو یہاں سے!"

"کیا کہا؟ ——— کم اور زیادہ کا فرق ہے؟

یعنی تم نے کم عورتوں کو اغوا کیا، سکھوں اور ہندوؤں نے زیادہ کو؟

پھر وہی خود فریبی اور فریب کاری!،

ایک لاکھ مسلمان عورتوں کے بدلے میں ایک صرف ایک ——— ہندو، یا سکھ عورت کا اغوا بھی اسلام جائز نہیں قرار دیتا، جاؤ اپنی راہ لو، مجھے بے وقوف نہ بناؤ!"

مفت کی باتوں نے ایک عجیب سماں پیدا کر دیا تھا۔

مسلمانوں پر تو جیسے بجلی گر پڑی تھی؟

پولیس کے سپاہی مسکرا رہے تھے،

سردار نی خاموش تھیں،

سردار صاحب کو ہوش آ گئی، انھوں نے کہا۔

"آپ نے دیکھ لیا۔ اسے ہم نے کچھ سکھایا پڑھایا نہیں ہے، اگر یہ اب بھی جانے پر رضامند ہو تو ذرا بھی عذر نہیں ہمیں، لیکن وہ نہ جانا چاہے اور آپ لے جائیں۔ یہ نہیں ہو سکتا سردار دلیپ سنگھ مارنا بھی جانتا ہے اور مرنا بھی"

پولیس نے مسلمانوں سے کہا۔

"چلئے اب بحث بیکار ہے"

وہ بیچارے گردن جھکائے اور منہ لٹکائے واپس چلے گئے۔

اوتار سنگھ کا چہرہ غصہ سے تمتما رہا تھا۔ لیکن وہ بے حس و حرکت خاموش بیٹھا تھا۔ بالکل یہی کیفیت دلجیت کی تھی اس کے چہرے کا بھی ایک رنگ آ رہا تھا۔ ایک جا رہا تھا۔

سردار نے عفت سے کہا،

"جا اندر جا ——— بڑی باتیں بنانا آ گئی ہیں تجھے!"

وہ مسکرا دیئے، اور عفت اندر چلی گئی!

سردار، اور سردارنی، اوتار کی مہمان داری میں لگ گئے، اور اندر جا کر دلجیت نے عفت کو بہت جھاڑا،

کہنے لگی،

"تم مسلمان ہو؟"

وہ بولی

"ہاں کیوں کیا تم مجھے مسلمان نہیں سمجھیں؟"

دلجیت نے بڑی سنجیدگی اور حقارت کے ساتھ کہا،

"کاش تم مسلمان نہ ہوتیں"

"کیوں؟ ——— یہ تو آپ نے کوئی اچھی بات نہیں کہی"

"جو عورت مسلمان ہو کر، مسلمانوں میں پل بڑھ کر، اپنے مذہب اور اپنی قوم کے روشن کردار سے واقف نہ ہو، اسے اپنے تئیں مسلمان کہتے ہوئے شرم آنا چاہئے"

عفت چپ چاپ یہ باتیں سن رہی تھی۔ اور دلجیت کہہ رہی تھی؛

"واقعی تم اس قابل ہو کہ یہیں رہو، مجھے رونا آتا ہے کہ میں جنت چھوڑ کر کیوں جہنم میں آ گئی"

اور دلجیت واقعی رونے لگی۔

عفت نے اس کے آنسو اپنے دوپٹہ سے پونچھے، اور کہا۔

"نہ روؤ! میری بہن نہ روؤ"

دلجیت نے عفت کے ہاتھ جھٹک دیئے، اور کہا،

"تم ناپاک ہو میرے بدن کو اپنے ہاتھ نہ لگاؤ۔

—— میں مسلمان نہیں ہوں،

لیکن مسلمانوں کو تم سے زیادہ جانتی ہوں ——

مجھے تم سے جتنی ہمدردی ہو گئی تھی وہ سب نفرت سے بدل گئی!"

عفت نے پوچھا

"کیوں؟

تم نفرت کیوں کرنے لگیں مجھ دکھیاری سے؟"

دلجیت بولی،

"تم شاید یہ سمجھتی ہو کہ ایسی خوشامدانہ باتیں کر کے تم، یہاں عزت آبرو سے رہ سکو گی —— لیکن تم اتنی بیوقوف ہو، کہ میرا حال دیکھ کر بھی تم سبق نہ حاصل کر سکیں، جب میری، خاص میرے گھر میں کوئی خاص وقعت نہیں ہے تو تم کس کھیت کی مولی ہو،!"

عفت نے کہا

"میں دل سے مسلمان ہوں، میری نظر میں اسلام سے بڑھکر کوئی مذہب بھی دنیا میں نہیں؟ لیکن ——

"ہاں کہو لیکن ——"

"لیکن مسلمان، اب مسلمان نہیں رہے، وہ بدترین قوم بن چکے ہیں، جب بروں کے ساتھ رہنا ٹھہرا تو کیا ہندو کیا مسلمان کیا سکھ، سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں!"

"یہ تم نے کیسے جانا؟"

"یہ میں نے ایسے جانا کہ اگر ایک مسلمان بھی کسی ہندو، یا سکھ عورت کو اپنی جان خطرہ میں ڈال کر حفاظت اور عزت کے ساتھ اس کے بھائی بندوں میں پہونچا جاتا، تو میری گردن فخر سے اونچی ہو جاتی، جس طرح میں اسلام پر فخر کرتی ہوں اسی طرح میں مسلمانوں پر بھی فخر کرتی،"

دلجیت بولی

"یہی تو میں کہتی ہوں تم بے وقوف بھی اور اندھی بھی؟"

اور پھر دلجیت نے اپنی ساری کتھا اول سے لے کر آخر تک بیان کر ڈالی، یہاں تک کہ اوتار کا قصہ بھی کہہ دیا۔ پھر اس نے عفت سے کہا۔

"پھر بھی تم مسلمانوں کو برا کہتی ہو!"

عفت نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں یہی چاہتی تھی ایک مثال بھی ایسی مل جاتی تو میں خیال کرتی، مسلمانوں نے اپنا فرض کماحقہ ادا کر دیا ——

—— تم نے یہ باتیں اگر پہلے بتائی ہوتیں تو میں ایک منٹ نہ رکتی فوراً چلی جاتی!"

دلجیت نے مسکراتے ہوئے کہا

"اب اگر موقعہ ملے تو چلی جاؤ گی؟"

"ضرور فوراً"

وہ ہنستی ہوئی بولی،

"اچھا میں انتظام کر دوں گی۔ کسی کھوج لگانے والی مسلمان پارٹی کو پھر تمہاری اطلاع بھیج دوں گی!"

عفت بولی،

"زندگی بھر تمہاری شکر گذار رہوں گی!"

پھر عفت نے کہا

"اوتار کو دیکھنے کو جی چاہتا ہے، وہ سچ مچ آدمی نہیں، اوتار ہے فرشتہ ہے!"

دلجیت بڑے فخر سے بولی،

"ہاں وہ ایسے ہی ہیں ——— اگر وہ آدمی ہیں تو سب سے بڑے اور اونچے، ورنہ وہ اوتار ہی ہیں! ——— جاؤ باہر تو بیٹھے ہیں، دیکھ آؤ!"

عفت نے کہا۔

"جاتی ہوں، برتن واپس لانے کے بہانے سے!"

دلجیت نے کہا۔

"میں کب منع کرتی ہوں"

جاؤ ہو آؤ ———"

وہ زیادہ نہیں ٹھہریں گے، نہ معلوم کس وقت چل دیں' چاہے

اسی وقت اٹھ کھڑے ہوں، واپس جانے کے لئے!"

عفت پھر باہر گئی،

اوتار نے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ اس نے چپکے سے برتن اٹھائے اور چپ چاپ اندر آ گئی، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے بڑے بڑے قطرے ٹپک رہے تھے۔

دلجیت نے پوچھا،

"کیا ہوا؟ ——— یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟"

وہ بولی

"کچھ نہیں، دیکھ آئی!"

"پھر یہ آنسو کیوں؟"

وہ بولی،

"خوشی کے، نخنکے"

دلجیت نے ہنستے ہوئے کہا،

"بالکل بچی ہے تو بھی ——— گھڑی میں کچھ گھڑی میں کچھ!"

عفت نے کوئی جواب نہ دیا اور برتن مانجنے بیٹھ گئی!

(۱۴)

کانٹے

سردار دلیپ سنگھ، اوتار پر بہت مہربان تھے، اس نے لاکھ لاکھ واپس جانے کے لئے اصرار کیا، لیکن انھوں نے ایک نہ سنی، صاف صاف کہہ دیا، ایک ہفتہ سے پہلے آپ ہرگز نہیں جا سکتے،

اور یہ سردار دلیپ سنگھ بہادر جتنے زیادہ اوتار پر مہربان تھے، اتنے ہی اپنی مظلوم بہن دلجیت سے بیزار اور متنفر تھے!

اور یہ پگلی دلجیت اب تک اس غلط فہمی میں تھی کہ یہ گھر اس کا ہے، اس کے بھائی کا ہے۔ اس کی بھابی کا ہے وہ چاہتی تھی پہلے کی طرح ساتھ بیٹھکر کھانا کھائے، لیکن اسے عفت کے ساتھ کھانا دیا جاتا تھا۔ وہ چاہتی تھی اسی ٹھاٹھ سے رہے، جس طرح بہن بھائی کے گھر میں رہتی ہے لیکن ایک کھاٹ اس کے لئے بھی عفت کی کوٹھری میں بچھا دی گئی تھی، وہ چاہتی تھی، پچھلی باتیں بھول جائے اور اب اپنے گھر میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرے۔ اور سارا جیون مہندر کی سیوا میں بتا دے، لیکن اس کے ساتھ اچھوتوں کا سا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اور مہندر تک کو کم سے کم وقت اس کے پاس گزارنے دیا جاتا تھا۔

پھر کسی نہ کسی بہانے سے وہ چلتی کر دی جاتی تھی اور مہندر اس کی گود سے لے لیا جاتا تھا۔

اب تک دلجیت اپنے تئیں معصوم سمجھتی تھی، مظلوم سمجھتی تھی لیکن اپنے بھائی اور بھابی کا برتاؤ دیکھ کر اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ گنہگار اور بدکردار ہے، ورنہ سگا بھائی بھی کہیں بہن سے نفرت کر سکتا ہے،

وہ بار بار اوتار کے پاس جاتی تھی، رو رو کر اسے اپنا حال سناتی تھی، اور اس سے مشورہ طلب کرتی تھی، اور وہ بھی جواب دیتا تھا کہ یہ تمہارا گھر ہے، یہ تمہارا وطن ہے، وطن کے کانٹے بھی، پرائے وطن کے پھولوں سے اچھے ہوتے ہیں، صبر و شکر کر کے یہ دن کاٹو، ہندر کی سیوا کرو، جب وہ بڑا ہو جائیگا تو تمہارے سارے غم دور ہو جائیں گے۔ اولاد ماں کے لئے بڑی فراخ دل ہوتی ہے، پھر وہ لاجواب ہو کر جھلا جاتی اور کہتی،

"لیکن وہ ہندر کو بھی تو میرے پاس نہیں رہنے دیتے!"

اور اوتار کہتا،

"رہنے دیں گے ——— ذرا صبر کرو، ایک دن یہ لوگ ضرور اپنی غلطی محسوس کریں گے!"

دن اسی طرح گذرتے رہے،

ایک روز، دلجیت ننھے ہندر کو گود میں لئے، عفت کے پاس بیٹھی کچھ باتیں کر رہی تھی کہ سردارنی آ گئی، اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"کیا ہو رہا ہے؟"

دلجیت خاموش ہو رہی، عفت اٹھ کھڑی ہوئی، سردارنی نے دلجیت سے کہا،

"مجھے تعجب ہے تم اب تک زندہ کیسے ہو؟"

یہ بات دلجیت کی سمجھ میں نہ آئی، اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو اٹھا کر، سردارنی کی طرف دیکھا، اور پھر انہیں جھکا لیا،

سردارنی نے کہا

"جس کا جوان شوہر اس کے سامنے کاٹ ڈالا جائے، جسے قصائی پکڑ لے جائیں، اور بے آبرو کر دیں، جسے دیس بدیس پھرایا جائے، اور ہر جگہ جس کی آبرو لوٹی جائے، اسے تو اگر ذرا بھی غیرت ہو تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا چاہیئے۔ تم چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کے بجائے، اس بڑی سی ندی کو بھی پار کر آئیں، جو راستے میں پڑی تھی، اور یہاں آن مریں!"

دلجیت کی آنکھوں سے پھر آنسوؤں کی برکھا شروع ہو گئی عفت بھی ضبط نہ کر سکی، اس کی آنکھیں بھی برسنے لگیں۔

سردارنی کو غصہ آ گیا،

"یہ لو، اب ناٹک شروع ہو گیا!"

اتنے میں سردار دلیپ سنگھ کی آواز آئی،

"دلجیت"!

وہ ہندر کو گود میں لئے جائی کے کمرے میں پہونچی، سردار نے ایک نظر اس پر ڈالی اور ایک ہندر پر پھر پوچھا،

"بہت چاہتی ہو مہندر کو؟"

اس نے کچھ جواب نہ دیا، البتہ مہندر کو کھینچ کر کلیجہ سے لگا لیا

سردار نے کہا،

"میں تمہارا امتحان لینا چاہتا ہوں"

دلجیت نے کوئی جواب اب بھی نہ دیا، البتہ بھائی کی طرف دیکھنے لگی،

سردار نے کہا،

"بولو! ——— دو گی امتحان؟"

دلجیت بولی۔

"میں سمجھی نہیں!"

سردار نے بڑی ملائمت کے ساتھ کہا،

"تم مہندر کو چاہتی ہو نا؟ ——— بولو جواب دو!"

دلجیت بولی،

"ہاں۔ یہ میرا بچہ ہے، میرے جگر کا ٹکڑا ہے"

"بھائی نے بہن سے کہا،

"بس اسی کا امتحان لینا چاہتا ہوں!"

دلجیت کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس امتحان سے کیا مطلب ہے؟ اس نے جواب دیا،

"میں سمجھی نہیں! کیسا امتحان؟"

بڑی شفقت سے سردار نے کہا۔

"تو یوں کہو ——— اچھی طرح بیٹھ جاؤ خواہ مخواہ گھبرائی ہوئی ہو، پھر کہوں گا اطمینان سے؟"

سامنے ایک اسٹول پڑا تھا، وہ اس پر بیٹھ گئی،

"کہئے! کس طرح کا امتحان ہوگا، میرا؟"

بولے،

"مہندر تم سے ایثار چاہتا ہے؟ ——— کرو گی ایثار؟"

دلجیت نے بڑے استقلال اور استقامت سے جواب دیا؟

"ضرور کروں گی! اس کے لئے کیا نہیں کر سکتی؟"

سردار کے منہ سے نکلا،

"تو یہ گھر تمہیں چھوڑ دینا پڑے گا، یہاں سے تمہیں چلا جانا پڑے گا۔ مہندر سے تمہیں رشتہ قطع کر لینا پڑے گا!"

دلجیت کی تلے کی سانس تلے اور اوپر کی اوپر، وہ بہت پریشان ہو کر بولی،

"کیوں ؟!

"اس میں کیا مصلحت ہے ؟"

سردار نے کہا،

"مہندر کی محبت کا مطالبہ یہی ہے !"

وہ بولی

"نہیں ہے !

یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟"

"ہے دلجیت میں جو کہتا ہوں !"

"میں یہ نہیں مان سکتی !"

"کیسے نہیں مانو گی، اس کی ماں نہیں ہو ؟ میں کیسے یقین کر لوں تمہارے سینہ میں ماں کے بجائے ڈائن کا دل دھڑکتا ہے ؟"

دلجیت سے نہ کوئی سوال بن پڑا، نہ جواب وہ بے بسی سے بھائی کی طرف دیکھنے لگی، اور بھائی نے بہت اطمینان سے کہا

"بھلا بتاؤ تو تم اسے گوارا کرو گی کہ لوگ مہندر کا تمہارے مہندر کا مذاق اڑائیں ؟ اسے طعنے دیں ؟ وہ اسکول جائے، تو اس کا تماشہ بنائیں، وہ کہیں مہمان جائے تو لوگ اس کا کلیجہ چھلنی کر دیں، پھر جب وہ بڑا ہو، اور اس

کی شادی کی بات کہیں جائے تو نہایت حقارت کے ساتھ رد کر دی جائے ——— بتاؤ تم یہ گوارا کر لو گی ؟

دلجیت نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے، گویا وہ دلیپ کی بات سننا نہیں چاہتی، وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اس نے روتے روتے چیخ کر پوچھا۔

"یہ کیوں ہوگا ؟ یہ سب کیوں گا ؟"

نہایت سکون خاطر کے ساتھ سردار دلیپ سنگھ نے کہا۔

"یہ سب ہوگا، اور اس لئے ہوگا۔ کہ لوگ کہتے ہیں اور آگے چل کر اور زیادہ کہیں گے، کہ یہ مہندر اس ماں کا لڑکا ہے مسلمانوں نے جس کی آبرو لوٹی، اور جو مہینوں مسلمانوں کے ہاں رہ کر اپنی آبرو گنواتی رہی !"

دلجیت نے پوچھا۔

"لیکن میرا قصور ؟

میری خطا ؟

میری غلطی ؟"

سردار نے کہا۔

"قصور کچھ نہیں ——— لیکن ہماری سماج

کی بناوٹ ایسی ہے کہ تو سماج میں واپس نہ آئے تو مظلوم ہے، اگر واپس آ جائے تو مردود ہے؟"

دلجیت نے کہا،

"لیکن سماج سے یہی مطلب؟"

"اور زیادہ نرم ہو کر سردار نے کہا۔

"کیوں نہیں ہے، دلجیت؟ سماج سے باہر تو پاکستان ہے، کیا ہم وہاں جا کر رہیں؟ یہاں اگر ہمیں رہنا ہے تو سماج کے اندر رہنا پڑے گا۔"

دلجیت کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے، مگر سردار نے ان قیمتی آنسوؤں کو نظر انداز کر کے کہا۔

"بتاؤ دلجیت کیا فیصلہ کیا تم نے؟"

وہ بولی،

"کر لیا!"

انھوں نے حوصلہ مند بن کر پوچھا،

"کیا فیصلہ کیا؟ بتاؤ بھی تو؟"

وہ بولی،

"چلی جاؤں گی یہاں سے!"

سردار نے کہا۔

"شاباش، تم سے، تمہاری ماں سے، یہی امید تھی مجھے!"

دفعتاً دلجیت بولی،

"لیکن ھندر میرے ساتھ جائے گا؟"

سردار پر جیسے اوس پڑ گئی، انھوں نے ذرا بھی غصے کے بغیر پوچھا

"کیا کہا؟ ھندر تمہارے ساتھ جائے گا؟"

اس نے اسی عزم کے ساتھ کہا،

"ھندر میرے ساتھ جائے گا؟"

"لیکن کہاں"

"وہاں جہاں یہ سماج نہیں ہوگی، جہاں ھندر کو کوئی طعنے نہیں دیگا کوئی اس کا مذاق نہیں اڑائے گا۔"

سردار کی پیشانی پر غصے کا نام تک نہیں تھا۔ انھوں نے پوچھا،

"کیا تمہارا مطلب پاکستان سے ہے"

"وہاں واپس جاؤ گی؟"

دلجیت بولی۔

"ہاں وہیں!

اور کہاں جا سکتی ہوں؟"

سردار کو اب بھی غصہ نہیں آیا، لیکن انھوں نے نہایت ٹھنڈا بن کر کہا۔

"دلجیت یہ نہیں ہو سکتا، ابھی میرے بازوؤں میں اتنی طاقت

ہے کہ وہ تمہارا گلا گھونٹ دیں میرے بازوؤں میں اتنا دم ہے کہ وہ تمہاری ٹانگیں توڑ دیں ۔ ـــــــ لیکن نہیں مجھے ایسا نہیں کرنا پڑے گا۔ تم ایسی نوبت نہیں آنے دو گی ـــــــ ہندر تمہارے ساتھ نہیں جاسکتا، تم پاکستان نہیں جاسکتیں!"

دلجیت نے پوچھا،

"پھر آخر میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ کون مجھے پناہ دیگا؟"

سردار نے اسی نرمی سے جواب دیا،

"تم اس کی فکر نہ کرو، یہ فکر ہمارے ذمہ ہے، ہم بندوبست کریں گے!"

دلجیت پھر رونے لگی، اس نے کہا،

"تم مجھے گھر سے نکال دو گے؟"

"ہاں یہ کرنا پڑے گا؟"

"تم میرے ہندر کو مجھ سے چھین لوگے؟"

"ہاں اسکی بھلائی کا تقاضا یہی ہے۔"

وہ چیخ پڑی،

"تم میرے بھائی ہو کر اتنے کٹھور بن جاؤ گے، اس کی مجھے امید نہیں تھی"

سردار نے کہا،

"دلجیت! ـــــــ نادانی کی باتیں نہ کرو یہ دنیا ہے، اور یہاں سب باتیں ہماری امید کے مطابق نہیں ہوتیں ـــــــ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں ہم نہیں پسند کرتے۔ لیکن وہ کرنا پڑتی ہیں، بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمیں پسند ہوتی ہیں، لیکن جنھیں ہم نہیں کرسکتے، اگر دنیا میں ہر بات ہماری مرضی کے مطابق ہو تو پھر رونا کاہے کا، پھر یہ دنیا جنت نہ بن جائے، سب کے لئے!"

اتنے میں سردارنی آگئیں،

انھوں نے کہا،

"اوتار، آج جانے کو کہہ رہا ہے"

وہ بولے،

"جانے کو کہہ رہا ہے"

"ہاں وہ تو سامان بھی باندھ چکا"

"تو جاؤ اسے بلا لاؤ!"

وہ گئیں اور اوتار کو ساتھ لے کر آگئیں،

سردار نے پوچھا،

"آج جا رہے ہو تم؟"

اس نے کہا،

"جی ہاں! اب تو جانا ہی ہے آج"

"ارے بھائی اتنی جلدی؟"

وہ بولا،

"اتنی جلدی کہاں، پورا ہفتہ تو ہو گیا!"

سردار نے کہا،

"اور دلجیت؟ ——"

اوتار نے پوچھا،

"دلجیت کے بارے میں میں کیا بتا سکتا ہوں، آپ خود ہی سوچئے!"

وہ بولے،

"ہم نے تو سوچ لیا!"

"کیا سوچا آپ نے؟"

"یہ کہ وہ یہاں نہیں رہے گی؟ نہ اس گھر میں، نہ اس شہر میں!"

اوتار بجھ گیا ہو گیا،

"ہاں بھئی، حالات ایسے ہی ہیں، ورنہ کون بھائی، بہن کو اپنے گھر سے نکالنے پر ہنسی خوشی آمادہ ہو سکتا ہے؟"

اور یہ کہتے کہتے سردار کی بھی نہ رونے والی آنکھ رونے لگی، اوتار کی پریشانی میں اور اضافہ ہو گیا، اس نے پوچھا،

"تو آخر آپ کا ارادہ کیا ہے؟"

سردار نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا،

"ارادے تو بہت کچھ تھے لیکن اب ارادوں کا کیا سوال!"

"یہ کیوں؟"

کچھ کہئے تو سہی،

"اب وہ ہماری نہیں رہی، مسلمانوں نے اسے ہمارا نہ رکھا میں قسم کھا چکا ہوں، ایک دلجیت کے لئے، ایک ہزار مسلمان عورتوں کی آبرو غارت کروں گا، انھیں کہیں کا نہ رکھوں گا، ان کمبختوں نے میری دلجیت کو مجھ سے چھین لیا"

اور وہ پھر ہچکیوں سسکیوں رونے لگے۔

اوتار نے کہا۔

"لیکن دلجیت تو آپ کے پاس ہے، آپ کے سامنے بیٹھی ہے، آپ کے قبضہ میں ہے!"

بہت آہستہ سے بولے،

"اس سے کیا ہوتا ہے؟ بے شک وہ یہاں ہے، لیکن ہماری نہیں رہ گئی!"

اور پھر سردار نے وہ تمام باتیں دوہرائیں جو ابھی ابھی انھوں نے دلجیت سے کی تھیں، اوتار کو بڑا غصہ آیا، لیکن اس نے اپنے غصہ کو اتارتے ہوئے کہا،

"دلجیت کا اور میرا ساتھ بہت کم وقت تک رہا ہے، اور میں کہہ سکتا ہوں، ایسی شریف، نیک، اور پاک باز عورت میں نے نہیں دیکھی، آپ آئی ہوئی لچھمی کو واپس کر رہے ہیں۔ آپ بہت بڑا پاپ کر رہے ہیں، اسے ناپاک سمجھ کر، اسنے اگر اپنی ابرو کھوئی تو شوق سے نہیں مجبوری سے اور مجبوری کا ہر جرم معاف ہوتا ہے گاندھی جی نے بھی کہا ہے، ساری دنیا بھی کہہ رہی ہے؟"

سردار نے سرد مہری سے کہا۔

"گاندھی جی، اور ساری دنیا ہماری سماج کا دل نہیں بدل سکتے، میں دلجیت کو رکھ کر ہندر کی زندگی برباد نہیں کر سکتا۔ دلجیت ہندر پر قربان کی جا سکتی ہے، لیکن ہندر دلجیت پر نہیں قربان کیا جا سکتا!"

اوتار کا غصہ اب قابو سے باہر ہو گیا، اس نے کہا۔

"آپ بڑے ظالم ہیں!"

سردار نے زہر خند کرتے ہوئے کہا،

"اور خود حضور؟"

"میں؟ میں کیا؟"

"میں نے پوچھا خود سرکار کیا ہیں؟ خدا ترس؟ رحم دل ——"

اوتار بولا،

"یقیناً، آپ کے مقابلہ میں میں یہ سب کچھ ہوں"

سردار کو موقعہ مل گیا،

"تو پھر، آپ دلجیت کو اپنا بنا لیجئے، آپ اسے اپنے ساتھ لے جائیے، آپ اس سے شادی کر لیجئے"

دلجیت چیخی،

"بھیا! بھیا! ——"

اوتار چیخا،

"سردار صاحب، آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

اور سردار نے چیخ کر جواب دیا،

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں، اور اپنی رائے پر قائم ہوں!"

پھر انھوں نے کہا،

"کہنا آسان ہے، کرنا مشکل ہے، سردار اوتار سنگھ! —— ابھی تم کتنی بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہے تھے کتنی پرجوش تقریر کر رہے تھے، لیکن جب کرنے کا وقت آیا، تو غائب —— ارے بھئی اگر سچے ہو، واقعی دلجیت کو نیک اور شریف، مظلوم، اور معصوم سمجھتے ہو، تو بڑھو آگے، اس کا ہاتھ پکڑو اور لے اپنا جیون

ساتھی بنالو! ——————

ارے بھئی تم میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو؟ دلجیت تمہارے سامنے موجود ہے، بتاؤ رنگ، میں روپ میں سجاؤ میں کس چیز میں وہ کسی سے کم ہے؟ اگر اس کا کوئی عیب ہے، تو یہی نا کہ اسے مسلمانوں نے خراب کر دیا ہے، سو تم اسے عیب مانتے نہیں، پھر جب یہ بات ہے تو کیوں نہیں اس سے بیاہ کر کے اپنی اور اس کی زندگی سنوار لیتے؟

—————— بتاؤ، بولو، یہ چپ کیوں لگ گئی ہے میں تمہارا جواب سننا چاہتا ہوں!"

اوتار نے اسی غصّہ کے عالم میں کہا،

"دلجیت اگر خوشی سے میری بن سکے، تو میں اسے اپنا فخر سمجھوں گا، دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی خوشی کی بات میرے لئے نہیں ہو سکتی، لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ اتنی اونچی ہے کہ میں اس تک نہیں پہونچ سکتا، وہ اتنی اچھی ہے کہ میں اسے اپنا بنانے کی جرأت کسی طرح اور کسی حالت میں بھی نہیں کر سکتا وہ اتنی پوتر ہے کہ میں اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔"

سردار نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا، معلوم ہوتا تھا ہنستے ہنستے بے حال ہو جائیں گے، پھر انھوں نے ہنسی کے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے کہا۔

"ارے میاں یہ شاعری رہنے دو، صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے، دامن چھڑا رہے ہو، دلجیت کو نیک اور معصوم زبان سے کہہ سکتے ہو عمل سے نہیں —————— یہ جتنے لوگ اسٹیج پر آکر تقریریں کرتے ہیں، یہ سب عمل سے کورے ہیں، کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں، انہی میں ایک تم بھی ہو!"

اوتار نے جھنجھلا کر کہا،

"سردار صاحب یہ باتیں میں نہیں سن سکتا؟"

سردار نے کہا،

"بہت بہتر، میں چپ ہو جاتا ہوں، لیکن تم میری زبان بند کر سکتے ہو، دل کی آواز نہیں بند کر سکتے، دل سے یہی صدا نکلتی رہے گی کہ تم بھی ہمارے لیڈروں کی طرح ہو، جو کہتے کچھ ہیں، کرتے کچھ ہیں۔"

اوتار نے برہمی کے ساتھ پوچھا،

"آخر یہ الزام کس بنیاد پر آپ لگا رہے ہیں، بتائیے؟"

"بتاؤں"؟

"سنو گے؟ سن سکو گے؟"

"ہاں فرمائیے! ضرور سنوں گا"

"دلجیت کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"بہت اچھی،"

"وہ مظلوم ہے؟"

"ہاں ــــــــ بہت زیادہ!"

"اور معصوم؟"

"معصوم بھی۔ وہ بے انتہا معصوم ہے"

"اور نیک؟"

"بہت زیادہ! اس سے بڑھ کر نیک کوئی نہیں"

"اور روپ وتی؟"

"روپ وتی بھی ہے، کیوں نہیں ہے؟"

مسکرائے،

"دیکھو قائم رہنا اپنی زبان پر!"

"ہاں قائم ہوں!"

"سچ سچ بتاؤ، تمہاری شادی ہوئی ہے؟"

"نہیں!"

"منگنی؟"

"وہ بھی نہیں!"

"گویا بالکل چھڑے ہو؟"

"ہاں!"

"پھر کیا وجہ ہے کہ تم دلجیت سے شادی پر آمادہ

نہیں ہوتے"

اوتار نے کہا،

"میں تو ہزار جان سے آمادہ ہوں، لیکن کیا دلجیت بھی مجھے اس قابل سمجھتی ہے؟"

سردار نے اکڑ کر کہا،

"وہ سمجھے یا نہ سمجھے، ہم تو سمجھتے ہیں!"

اوتار نے ترشی سے جواب دیا۔

"میری شادی دلجیت سے ہوگی، آپ سے نہیں"

سردارنی مسکرانے لگیں، کہنے لگیں، اپنے شوہر نامدار سے،

"اب دو جواب!"

وہ ہار کہاں ماننے والے تھے، مسکرائے،

"لیکن کریں گے تو ہم!"

اوتار نے کہا،

"دلجیت بچہ نہیں ہے، اور میں ہارے باندے کے سودے کا قائل نہیں ہوں، اگر آپ دلجیت کو راضی کریں تو مجھے کوئی عذر نہیں!"

سردارنی نے کہا،

"ہم کرلیں گے!"

rekhta

سردار بولے،

"یہ ہمارا کام ہے!"

اوتار نے جواب دیا،

"تو جب آپ لوگ کام کر لیں تو مجھے حکم دیں، میں سر آنکھوں پر مانوں گا"

سردار نے کہا،

"اچھا تو ہمیں موقعہ دو ——— جاؤ اپنا سامان کھول دو!"

اوتار نے کہا،

"میں رہ جاتا ہوں، نہیں جاؤں گا، لیکن کتنے دن؟ یہ بھی بتا دیجئے؟"

وہ بولے،

"دو چار دن، بس اس سے زیادہ نہیں!"

اوتار سنگھ چپ چاپ اٹھا اور باہر چلا گیا، اس کے جانے کے بعد، سردار نے سردارنی سے کہا،

بڑا نیک اور اچھا لڑکا ہے!"

وہ بولیں،

"ہاں، ——— اور خوبصورت بھی"

کہنے لگے،

"تو پھر سامان کرو، دو چار دن میں چپ چپاتے دونوں کو یہاں سے رخصت کر دو!"

سردارنی نے یاد دلایا،

"لیکن وہ یوں نہیں جائے گا!"

بگڑ کر بولے،

"پھر کس طرح جائے گا،

"تمہارے سامنے ہی تو کہہ رہا تھا، جب تک دلجیت نہیں راضی ہوگی، شادی نہیں کروں گا"

سردار نے بڑی شفقت اور محبت سے دلجیت کی پیٹھ تھپکی اور کہا،

"کیا تم سمجھتی ہو کہ میری بے زبان بہن، میرے حکم کو ماننے سے انکار کر دے گی ——— تم نہیں جانتیں ایسی بہنیں ہر کسی کو نہیں ملتیں، واہ گرو کی کرپا سے تو مجھے ملی ہے، آج تک اس نے میری بات نہیں ٹالی جو میں نے کہا، اس نے مانا، اس معاملہ میں بھی وہ میرے ہاں میں ہاں ملائے گی، تم بے فکر رہو، اور اپنا کام شروع کر دو!"

سردارنی مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئیں، ان کے جانے کے بعد سردار نے پھر آنکھوں میں پریم رس بھر کر کہا،

"دلجیت"!

بڑی مدھم آواز میں بولی،

"کہئے؟"

پوچھا،

"تو نے اس وقت جو باتیں ہوئیں سنیں؟"

"سُن لیں!"

"بس تو اب تیار ہو جا، یہ کام ہمیں جلد کرنا ہے!"

ہندر کی جُدائی کے خیال سے دلجیت رونے لگی، سردار نے پوچھا،

"ارے تو کیوں رو رہی ہے پگلی!"

اس کے منہ سے صرف ایک لفظ نکلا،

"ہندر!"

اور وہ پھر رونے لگی،

سردار نے کہا،

"ہاں ہندر تیرا بیٹا ہے، اور میرا بھی ——— اس کے لئے میں ماں جائی بہن کو دیس نکالا دے رہا ہوں، لیکن تو اطمینان رکھ ہندر تیرا ہے، اور تیرا ہی رہے گا!"

وہ روتے روتے بولی،

"میں اسے کہاں پاؤں گی؟ میں اسے کیسے دیکھوں گی؟"

"کیوں؟"

"اس میں کیا مشکل ہے؟" میں نے اوتار سے پوچھا تھا، اس کا گاؤں یہاں سے صرف چھ میل کے فاصلہ پر ہے، تیرا یہاں آنا تو ٹھیک نہیں رہے گا، لیکن ہم وہاں ہر مہینہ آتے رہیں گے، اور ہندر ہمارے ساتھ ہو گا، بس اور کیا چاہئے، تجھے اب خوش ہو جانا ہنس"

دلجیت ہنستی تو کیا، روتی ہوئی کمرے سے اٹھ کر چلی گئی

وہ اب خود یہاں اس گھر میں نہیں رہنا چاہتی تھی، ان چند دنوں میں دلیپ اور سردارنی نے اسے اس گھر سے متنفر اور بیزار کر دیا تھا، ایک ہندر تھا جس کی وجہ سے وہ ہر ذلت سہہ رہی تھی، اور پڑی ہوئی تھی، اس گھر کے چھوٹنے کا، یہاں سے جانے کا، اسے ذرا بھی غم نہیں تھا، غم اگر تھا تو صرف اس کا کہ ہندر چھوٹ جائے گا، اسے اب وہ کبھی نہیں دیکھ سکے گی،

کمرے سے باہر نکلی تو عفت اسے مل گئی، سردارنی کے باہر نکلنے کے بعد وہ ادھر کسی کام سے آئی تھی، سردار صاحب کی باتیں سنکر ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی تھی،

عفت نے دلجیت کو روتے دیکھ کر اشارہ سے پوچھا

"کیا ہوا؟ رو کیوں رہی ہو؟"

اس نے جلدی سے آنسو پونچھ لئے، اور عفت کے کمرے کی طرف بڑھ گئی،

مطلب یہ کہ یہاں آؤ تو باتیں ہوں،

عفت، دلجیت کے پیچھے پیچھے کمرے میں پہونچی، عفت نے بڑی محبت سے پوچھا،

"کیا ہوا میری بہن! تم رو کیوں رہی ہو؟"

اور بہن کے آنسوؤں کا بند ٹوٹ گیا، وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگی،

عفت نے اسے گلے سے لگا لیا، اور کہا،

"بتاؤ، بتاؤ، کیا مجھے بھی تم اپنے اعتبار کا اہل نہیں سمجھتیں؟"

دلجیت نے روتے روتے کہا،

"تیرے سوا اس گھر میں اور میرا ہمدرد ہے کون؟ اپنی بپتا تجھے نہ سناؤں گی تو اور کسے سناؤں گی"

پھر دلجیت نے ساری کتھا آنسوؤں اور آہوں کے ساتھ بیان کر ڈالی،

عفت نے کہا،

"تو اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ ——— رونے کا تو میرا موقعہ ہے!"

"کیوں؟"

"تم چھوٹ جاؤ گی، مہندر سے محشر دم ہو جاؤں گی، اس گھر میں پھر وہی ذلت کا برتاؤ ہو گا، اور طرح طرح سے پریشان کی جاؤں گی ——— رونا مجھے چاہیئے کہ تمہیں؟"

اور واقعی عفت غریب رونے لگی،

اتنے میں پاؤں کی چاپ آئی معلوم ہوا، سردارنی آ رہی ہیں جلدی سے عفت نے آنسو پونچھ ڈالے، اور دلجیت گھڑے کے پاس کھڑی ہو کر پانی پینے لگی جیسے وہ یہاں پانی پینے آئی تھی!،

(۱۵)

اندھیرا، اجالا

دلیپ کی باتوں نے، دلجیت کو ایک عجیب اضطراب میں، ایک عجیب پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا، اب تک وہ ساری مصیبتیں صرف ایک خیال سے ہنسی خوشی برداشت کرتی چلی آئی تھی!

اور وہ خیال تھا جہندر کا!

لیکن یہاں پہونچکر وہ خیال بھی موہوم ثابت ہو رہا تھا اسکی ساری امیدیں جہندر کی ذات سے وابستہ تھیں، لیکن جہندر اب اس سے چھینا جا رہا تھا،

اور وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی ——!

یہ وہی بھائی تھا جو پروانہ وار اس پر قربان ہوتا تھا، لیکن آج وہ اپنے گھر سے دھکے دے کر نکال رہا تھا، یہ وہ بھابی تھی جو اس کا منہ دیکھ کر جیتی تھی، لیکن آج وہ اسے ایک منٹ کے لئے بھی اپنے وسیع گھر میں رکھنے کے لئے آمادہ نہیں تھی،

اور ہاں!

یہ وہ بھائی تھا جو اس کے لئے محض اس کے لئے قسم کھا چکا تھا کہ ایک ہزار مسلمان عورتوں کو بے آبرو کرے گا۔ لیکن اپنی بہن کو بے آبرو ہونے سے نہیں بچا سکتا۔ پا جانے کے باوجود نہیں بچا سکتا تھا،

پھر اب وہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟

اور یہ سوچتے سوچتے بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے اوتار کی تصویر پھرنے لگتی تھی، کتنا جیالا جوان ہے؟ کتنا شریف اور نیک، آن اس پر ختم ہے، بھائی اسی کے دم سے قائم ہے ——!

"نہیں!"

میں اسے اوتار کیوں کہوں؟ یہ سکھ نہیں مسلمان ہے، اس کا نام اوتار نہیں، مولا ہے، یہ مجھے چاہتا ہے لیکن مجھ سے دور رہتا ہے، یہ مجھے پوجتا ہے، لیکن دور سے ڈنڈوت کر کے رہ جاتا ہے۔ قریب آنے کی ہمت نہیں کرتا میں جانتی ہوں میرے لئے اس کے دل میں طوفان مچل رہے ہیں، مجھے پانے کے لئے یہ اپنی جان کی بازی لگا سکتا ہے، دنیا میں اس کے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کی کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ میں اس کی ہو جاؤں، لیکن اس بیتابانہ محبت کے باوجود یہ اتنا نہیں سوچتا کہ میں لٹ چکی ہوں، ویران ہو چکی ہوں، میری آبرو اب میری نہیں رہی، بازار میں گئی، بکی، اور نہ جانے کتنے آدمیوں میں تقسیم ہو گئی، نہ جانے کتنے آدمیوں نے مجھے جھنجھوڑا، کچلا، پامال کیا، بس کسی کام کا نہیں رکھا لیکن اس کے باوجود! ——— لیکن اس کے باوجود!

وہ مجھے چاہتا ہے، پیار کرتا ہے، میرا بن جانا چاہتا ہے۔ میرے لئے کسی ایثار، اور قربانی سے دریغ نہیں کر سکتا، وہ میرا کوئی نہیں، میرا اس کا کوئی ناتہ نہیں، میرا اور اس کا وطن الگ الگ، میری اور اس کی قوم دوسری، میرا اور اس کا خاندان جدا، میرا اور اس کا مذہب مختلف، اتنی دیواریں میرے اس کے بیچ

میں کھڑی ہیں، اور آسمان سے باتیں کر رہی ہیں، لیکن اس کی ہمت تو دیکھو اکیلا، ان سب دیواروں کو، لوہے کی ان بڑی بڑی دیواروں کو توڑ دینے پر تیار ہے؟

اور یہ میرا بھائی!

جس کی ماں کے پیٹ سے میں پیدا ہوئی، جس نے مجھے گودیوں میں کھلایا ہے، جس کا میرا مذہب ایک، قوم ایک، خاندان ایک، جس کے میرے بیچ میں کوئی چھوٹی سی دیوار بھی موجود نہیں؟ ہاں یہ میرا بھائی، مجھے حقارت اور ذلت کی نظر سے دیکھتا ہے، اسے پسند نہیں کرتا کہ میں اس کے گھر میں رہوں، اس سے بات کروں!

یہ کیا انقلاب ہے؟

کیا میں اس انقلاب کا مقابلہ کر سکوں گی! کیا میں اس طوفان کو جھیل لوں گی؟

اور مولا کی مسکراتی ہوئی ہنستی ہوئی، من موہنی مورت پھر سامنے آکر کھڑی ہو گئی!

وہ آنکھوں آنکھوں میں کہہ رہی تھی،

دلجیت!

تم میری نہ بن سکو پھر بھی میری ہو، دیکھو میرے یہ بازو ان میں بڑا دم ہے، یہ تمہیں طوفان سے نکال لے جائیں گے، یہ خود ایک انقلاب ہیں اور ان کے مقابلہ میں کوئی نہیں ٹھہر سکتا

تم صرف ایک اشارہ کر دو پھر دیکھو مولا تمہارے لئے کیا کرتا ہے؟ کیا کر سکتا ہے؟

اتنے میں مہندر کی معصوم اور مظلوم صورت اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی، وہ بلک بلک کر رو رہا تھا، اور روتی ہوئی آنکھوں سے پوچھ رہا تھا،

ماما!!

تم چلی جاؤ گی مجھے چھوڑ کر جو لوگ تمہارے نہ بن سکے وہ میرے کیسے بن سکیں گے؟ جو تمہیں نہ چاہ سکے ان کے دل میں میری چاہ پیدا ہو سکے گی بھلا، تمہارے جانے کے بعد روؤں گا اور روتے روتے مر جاؤں گا، تمہارے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکوں گا، تم بن میری زندگی بیکار ہو جائے گی!

اور اتنے میں، عفت کے کمرے سے مہندر کے رونے کی آواز آئی، وہ دوڑتی ہوئی پہونچی، اور عفت کی گود سے لے کر اسے کلیجہ سے لگالیا، اور بھینچ بھینچ کر رونے لگی، پھر اسے پیار کرنے لگی پیار کرتی جاتی تھی، اور کہتی جاتی تھی،

"میرے بچے، میرے لال، نہ رو، میں تجھے چھوڑ کر ہرگز نہیں جاؤں گی، ہر ذلت سہوں گی، ہر دکھ جھیلوں گی، لیکن تجھے چھاتی سے لگائے رہوں گی، تو میری زندگی ہے میری

روح ہے"

اور یہ کہتے کہتے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

عفت نے کہا

"دلجیت بہن، یہ تم کو کیا ہو گیا ہے؟"

دلجیت نے کہا،

"وہ ہوا ہے جسے تم نہیں سمجھ سکتیں"

"آخر کچھ تو بتاؤ، کچھ تو کہو"،

"تمہارا بھی ایک بچہ تھا، اسے ظالموں نے چھین لیا، ہلاک کر ڈالا، کتنے دن ہو گئے، لیکن وہ داغ تمہارے دل پر آج تک تازہ ہے ——————!"

عفت بولی،

"ہاں ہے تو؟ اسے زندگی بھر نہیں بھولوں گی"

دلجیت نے کہا،

"حالانکہ تم جانتی ہو وہ ننھا بچہ اس دنیا سے جا چکا ہے اور جو اس دنیا سے واپس جاتا ہے، وہ پھر لوٹ کر نہیں آتا، پھر وہ کبھی نہیں ملتا!"

عفت بولی،

"ہاں جانتی ہوں!"

دلجیت گلوگیر آواز میں بولی،

"لیکن میرا بچہ تو زندہ ہے، وہ نہیں مرا، اس کے گلے تک تو مسلمانوں کے ہاتھ نہیں پہونچ سکے، اسے تو کسی نے ہلاک نہیں کیا"

عفت نے کہا،

"ہاں! ——— خدا کرے وہ بڑا ہو، ہر آفت سے محفوظ رہے!"

دلجیت بولی،

"لیکن وہ میرا بچہ، وہ میری زندگی کا سہارا مجھ سے چھینا جا رہا ہے، مجھے حکم دیا جا رہا ہے، تو یہاں سے چلی جا، اس دیس سے بھاگ جا، اس شہر کو چھوڑ دے اس گھر سے کوئی واسطہ نہ رکھ ——— بتاؤ، عفت میں کیا کروں؟"

عفت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اس نے کہا،

"واقعی بڑا پاپ ہو رہا ہے!"

دلجیت بولی!

"یہ کہہ دینے سے کام نہیں چلے گا، مجھے کوئی راستہ دکھاؤ کوئی ترکیب بتاؤ"

عفت سوچنے لگی، دلجیت نے کہا،

"جلدی بتاؤ ——— میں ہمدرد کو نہیں چھوڑ سکتی، اس کے بغیر اب زندہ نہیں رہ سکتی، میں اس گھر سے اگر نکالی گئی، تو جاؤں گی، لیکن ——— زندہ نہیں!"

عفت کانپ گئی،

"کیا کہا؟ کیا کہا؟ چپ رہو خدا کے لئے"

دلجیت نے جواب دیا،

"خودکشی کر لوں گی، جان دے دوں گی ——— جب ہمدرد نہیں، تو زندگی بیکار ہے!"

عفت نے تسلی دیتے ہوئے کہا،

"خدا پر بھروسہ کرو!"

وہ جل کر بولی،

"اسی پر بھروسہ کرتے کرتے تو اس درجہ کو پہونچ گئی اب کہاں تک بھروسہ کراؤ گی اپنے خدا پر!"

عفت نے کہا،

دیکھو دلجیت، خدا کو باتیں نہ سناؤ، تمہارے یہ طعنے اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، عفت میں اپنی زبان اور اپنا دل خراب کر رہی ہو ——— میں پھر کہتی ہوں، اس پر بھروسہ

کرو، انشاء اللہ کوئی اچھی صورت ضرور نکل آئے گی،

دلجیت نے پوچھا،

"تمہیں خدا پر بھروسہ ہے یا نہیں؟"

"کیوں نہیں ہے؟ ہے!"

"تمہارے بھروسے کا کیا پھل ملا؟ بتاؤ!

کیا یہ زندگی تمہیں پسند ہے؟"

"بالکل نہیں ——— لیکن مجھے یقین ہے، خدا مصیبت کے دن ضرور کاٹے گا ——— اسی لئے تو میں خودکشی کی نہیں سوچتی، ورنہ خودکشی کی جتنی سہولتیں مجھے میسر رہی ہیں، تمہیں کبھی بھی نہیں میسر آسکتیں"

تھوڑی دیر کے بعد عفت نے کہا،

"دلجیت یہ تو بتاؤ؟"

وہ بولی،

"کیا بتاؤں پوچھو!"

"اوتار کی جب اتنی قائل ہو، اور اس کے اتنے گن گاتی ہو، اور خود سردار صاحب تمہیں اس کے حوالے کئے دے رہے ہیں تو کیوں نہیں چلی جاتیں؟"

ایک عجیب تاثر کے عالم میں وہ بولی،

"ضرور چلی جاتی ——— لیکن اپنے ظالم

کو (مہندر کی طرف اشارہ کرکے) کیسے چھوڑ جاؤں مہندر کی قیمت پر مجھے کوئی چیز نہیں چاہئے، ہرگز نہیں چاہئے ———

——— ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ، ان باتوں سے مجھے اتنی نفرت ہو چکی ہے کہ اگر زندہ رہی تو یہاں نہیں رہوں گی، مجھے اللہ وتا کے گھر میں وہی محبت ملی جو باپ کی گود میں مل سکتی ہے"

غرض بڑی دیر تک عفت اور دلجیت میں اسی طرح کی باتیں ہوتی رہیں، صبح کو دلجیت جب اٹھی تو اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، معلوم ہوتا تھا، رات کو وہ بہت روئی ہے،

دو دن اسی طرح گذر گئے، دلیپ نے ابھی تک اوتار کو کوئی صاف جواب نہیں دیا تھا، تیسرے دن دوپہر کو ایک بہت ضروری کام سے وہ جالندھر چلے گئے، اور وعدہ کر گئے کہ میں زیادہ سے زیادہ دو دن میں آجاؤں گا،

اوتار سردار صاحب کو اسٹیشن تک پہونچانے گیا، راستے میں انھوں نے کہا،

"میں بہت جلدی آجاؤں گا، دیکھو میرے پیچھے چلے نہ جانا!"

وہ بولا،

"نہیں جاؤں گا! اطمینان رکھئے،"

سردار نے کہا،

"دلجیت اب تمہاری ہو چکی، اسے اپنی بنا کر تم واہگرو کی خوشنودی کے مستحق ہو گئے۔"

اوتار نے جواب نہیں دیا،

اتنے میں اسٹیشن آ گیا، گاڑی تیار کھڑی تھی، سردار صاحب جلدی سے سوار ہوئے، اور ان کے سوار ہوتے ہوتے، گاڑی چھوٹ گئی، ورنہ شاید ابھی کچھ اور وصیت بھی وہ کرتے،

اسٹیشن سے جب اوتار گھر واپس پہونچا تو عفت اسے اندر بلا کر لے گئی،

دلجیت ہندر کو گود میں لئے رو رہی تھی، اوتار نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی، تو دیکھا سردارنی نہیں ہیں،

پوچھا،

"سردارنی کہاں گئیں؟"

عفت بولی،

"یہاں سے کچھ دور ایک گاؤں ہے، وہاں ان کی چھوٹی بہن لاجو رہتی ہے وہاں سے آدمی آیا تھا کہ طبیعت بہت خراب ہے، روتی ہوئی وہیں گئی ہیں، کل آئیں گی،"

دلجیت سے مخاطب ہو کر اوتار نے کہا،

"تم رو کیوں رہی ہو؟"

دلجیت اور رونے لگی، عفت نے کہا،

"کیسے نہ روئیں؟"

عفت کی مداخلت سے اوتار جز بز ہو رہا تھا، جب سے اس نے عفت کو دیکھا تھا۔ اس سے نفرت ہو گئی تھی، یہ وہی عورت تو ہے جو مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے کے بعد بھی مسلمان گھر میں واپس جانا نہیں چاہتی، وہ چاہتا تھا، دلجیت اسے جواب دے، اس نے عفت کے بجائے پھر دلجیت کو مخاطب کیا،

"آخر کیوں رو رہی ہو دلجیت؟ کچھ بتاؤ تو!"

عفت بولی

"بتائیں کیا، آپ خود سب جانتے ہیں!"

اوتار نے بے رخی کے ساتھ کہا،

"لیکن، میں انھیں مجبور نہیں کرتا کہ یہ میرے ساتھ چلیں، میں انھیں اس لئے یہاں لیکر نہیں آیا تھا کہ چھین لے جاؤں، انھیں ان کے بھائی سے میں تو اس لئے لایا تھا کہ یہ یہاں رہیں اور اپنا غم بھول جائیں"

عفت کسی کام کا بہانہ کر کے اٹھ گئی،

اب دلجیت بولی،

"لیکن میں یہاں نہیں رہ سکتی"

اوتار نے حیران ہو کر دریافت کیا،

"نہیں رہو گی؟"

"نہیں ہرگز نہیں!"

"پھر؟"

"مجھے لے چلئے، اپنے ساتھ"

وہ اور حیران ہو کر بولا،

"اپنے ساتھ لے چلوں؟"

"ہاں ——— کیا تامل ہے آپ کو کچھ؟"

اوتار نے جواب دیا

"تامل تو کچھ نہیں ہے۔ لیکن ———"

"لیکن ویکن چھوڑیئے، صاف صاف بتائیے، آپ کا عشق سچا تھا یا جھوٹا؟"

اوتار اس سوال کے لئے قطعاً تیار نہ تھا، اس لئے وہ سٹ پٹا گیا"

اس نے گھبرا کر کہا،

"یہ عجیب سوال ہے!"

دلجیت بولی،

"پر آپ نے ٹال مٹول شروع کی ——— میں آج فیصلہ کرنا چاہتی ہوں، آپ کو مجھ سے محبت ہے یا نہیں اس سوال کا جواب ہاں یا نہیں میں دیجئے!"

اوتار نے کہا،

"ہے! اتنی زیادہ اتنی زیادہ کہ ———"

وہ بولی،

"سچی یا جھوٹی؟"

اوتار نے کہا،

"یہ تم مجھ سے زیادہ جانتی ہو!"

دلجیت نے پوچھا،

"تو اب بتائیے آپ مجھے موقعہ دیں گے کہ میں آپ کی بنکر آپ کے چرنوں میں رہوں؟"

اوتار کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ اس نے بیتاب ہو کر پوچھا،

"کیا کہہ رہی ہو دلجیت؟ کچھ سوچا بھی تم نے؟"

وہ بولی،

"بہت کچھ سوچا، سب کچھ سوچ لیا، آپ بتلائیے، آپ مجھے اپنا جیون ساتھی بنائیں گے؟"

اوتار کی کیفیت اس وقت دیکھنے کے قابل تھی، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ خود دلجیت اس سے یہ سوال کرے گی اس نے کہا،

"دلجیت! میرے دل کے زخموں کو نہ چھیڑو، وہ کون سا

لمحہ تمہیں دیکھنے کے بعد جب میں نے تم سے محبت نہیں کی!
جب میں نے تمہارا کلمہ نہیں پڑھا؟ ——————
—————— میں نے گھر کیوں چھوڑا؟ باپ کو دشمن کیوں بنایا؟
تمہیں یہاں تک لیکر کیوں آیا؟
کیا یہ سارے کام محبت کے سوا کوئی اور مجھ سے کرا سکتا
تھا؟ بتاؤ دلجیت، تم خود بتاؤ تم خود کہو!"
اور یہ کہتے کہتے اوتار کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے،
دلجیت بھی متاثر ہوئی، اسکی آنکھیں بھی آپ گوں ہو گئیں وہ
اپنی جگہ سے اٹھی، اس نے اپنے دوپٹے سے اوتار کی آنکھوں
کے آنسو پونچھے، اور کہا،
"تم مرد ہو کر روتے ہو؟"
اوتار نے کہا،
"ہاں! —————— کبھی کبھی مرد بھی رونے پر
مجبور ہو جاتے ہیں"
دلجیت نے کہا،
"میں مسلمانوں سے نفرت کرتی تھی، تم سے مجھے ذرا بھی دلچسپی
نہ تھی، ساری دنیا میری آنکھوں میں تاریک تھی ——————
—————— لیکن تمہاری بے ریا، اور بے لوث محبت نے
میرے دل پر دستک دی، وہ دھڑکنے لگا۔ پھر وہ تمہیں چاہنے

لگا، لیکن مجھے اپنے دل پر قابو تھا۔ مامتا پر نہیں ——————
میں تمہاری چتا میں ساری زندگی گذار سکتی تھی، تمہارے
بغیر —————— لیکن مہندر کے بغیر ایک دن بھی کاٹنا
میرے لئے محال تھا —————— اور اب وہی مہندر
مجھ سے چھینا جا رہا ہے، بتاؤ پھر میں یہاں رہ کر کیا
کروں؟ کیا تم مجھے اپنے ساتھ لے چلو گے؟"
دلجیت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی،
اوتار نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھا، اور کہا،
"نہیں دلجیت روتے نہیں، تمہارا مہندر تمہارے پاس
ہے، اسے تم سے کوئی نہیں چھین سکتا، جب تک میرے
دم میں دم ہے۔ اس کے لئے، میں اپنے خون کا آخری قطرہ
بھی بہانے کو تیار ہوں!"
دلجیت نے کہا،
"مجھے یہی امید تھی، تم سے!"
اوتار نے کہا،
"واقعی تم مجھے چاہتی ہو؟"
وہ شرما کر بولی،
"ہاں"!
اپنے دل سے پوچھ لو،

اوتار نے پوچھا،

"سچ ——— یقین کر لوں؟"

وہ اور شرمائی ہوئی بولی،

"کتنے دفعہ پوچھو گے؟ میں ایک ہی بات بار بار نہیں دوہرا
کرتی!"

اوتار بولا

"دلجیت!"

اس نے آہستہ سے کہا،

"کہو؟"

بڑی بے تابی کے ساتھ اوتار نے کہا،

"تم نے مجھے نئی زندگی دی ہے، تمہارا شکریہ کس طرح
ادا کروں؟"

وہ لجاتی ہوئی بولی،

"یہی بات میں بھی کہنا چاہتی تھی، تم نے میرے بول چ
لئے!"

اوتار نے کہا،

"دیکھو اب دھوکا نہ دینا!"

وہ بولی،

"کوئی عورت دھوکا نہیں دیتی، خواہ وہ ہندو ہو، یا سک

یا مسلمان ——— دیکھ لو اس بچی عفت کو ابتک
اپنے خدا سے اپنے بچھڑے ہوئے ملک میں تو سمجھتی ہوں، مرے
ہوئے شوہر کی آس لگائے بیٹھی ہے"

اوتار نے کہا،

"اس کا نام میرے سامنے نہ لو!"

وہ تیوری چڑھا کر بولی

"یہ کیوں؟"

اس نے جواب دیا؟

"میں اس سے نفرت کرتا ہوں"

وہ مسکرائی،

"اسی دن سے جب پولیس آئی تھی، اسکی باتیں سن کے؟
کیوں؟"

وہ بولا،

"ہاں!"

کتنی قابل نفرت باتیں تھیں؟

دلجیت جلنے لگی،

"وہ آپ سے زیادہ پکی مسلمان ہے، اور اس نے اس دن
جو کچھ کہا تھا وہ اس کے الفاظ نہیں تھے، اسلام کے تھے!
پھر دلجیت نے عفت کی ساری رام کہانی سنا ڈالی اور

وہ باتیں بھی جو اس کے سامنے ہوئی تھیں، اوتار نے کہا،

"پھر تو دوسری بات ہے"

دلجیت نے چھیڑا،

"اتنی جلدی رائے قائم نہ کر لیا کرو!"

اوتار بھی مسکرایا،

"ہاں یہی غلطی ہوئی!"

اس وقت دلجیت بہت خوش تھی،

"کہیں میرے بارے میں بھی تو غلطی نہیں کر بیٹھے؟"

اوتار نے پوچھا،

"کیا مطلب؟"

وہ تبسم کے تیر پھینکتی ہوئی بولی،

"مطلب یہ کہ کہیں مجھ سے محبت بھی تو جلد بازی میں نہیں کر بیٹھے؟"

اوتار نے زور سے قہقہہ لگایا

"بڑی شریر ہو، دلجیت ——————"

اتنے میں عفت آ گئی،

اس نے کہا،

"بڑی گھل مل کے باتیں ہو رہی ہیں!"

دلجیت نے کہا،

"عفت بہن تم نے کچھ اور بھی سنا؟"

"نہیں تو؟"

"بیٹے مرنے کی خبر ہے"

"تو کہو نا"

"یہ اوتار کی طرف اشارہ کر کے، تم سے نفرت کرتے ہیں!"

ایک مجرم کی طرح عفت کا چہرہ سفید پڑ گیا، اس نے کہا۔

"ہاں —————— میں اسی لائق ہوں کہ مجھ سے نفرت کی جائے، لیکن میرا ذکر بیچ میں کیوں آ گیا تھا؟"

اوتار شرمندہ سا ہو گیا؟

اس نے کہا،

"دلجیت کی باتوں پر دھیان نہ دو عفت بہن، میرے دل میں تمہاری عزت ہے، میں دلجیت سے ساری باتیں سن چکا ہوں"

عفت نے پوچھا،

"کیا سنا آپ نے؟"

وہ بولا،

"تمہاری ساری کتھا —————— بے شک جب تم نے پولیس پارٹی سے باتیں کی تھیں، تو میرے دل میں تمہارے لئے نفرت کے سوا کچھ نہ تھا۔ لیکن جب سے دلجیت

نے باتیں بتائی ہیں میرے دل میں تم سے بڑھ کر کسی کی عزت نہیں ہے!"

دلجیت نے کہا،

"یہ لو، یا تو نفرت تھی یا عقیدت شروع ہو گئی، آپ لوگوں کا بھی کچھ ٹھیک نہیں ہے"

اوتار نے عفت سے کہا،

"کیوں بہن تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

وہ بولی

"کہاں کے بارے میں؟"

"یہاں رہو گی، یا ہمارے ساتھ چلو گی؟"

عفت نے کہا،

"کیا آپ جا رہے ہیں؟"

وہ بولا

"ہاں میں بھی، اور میرے ساتھ دلجیت بھی، اور میاں مہندر بھی!"

وہ حیرت سے بولی،

"سچ؟ واقعی؟"

عفت نے مسکراتے ہوئے دلجیت کی طرف دیکھا اور کہا،

"کیوں دلجیت؟"

دلجیت مسکرا کر خاموش ہو گئی،

عفت نے کہا،

"تم تو کچھ اور کہہ رہی تھیں؟"

اوتار نے پوچھا،

"کیا کہہ رہی تھیں؟"

عفت پھر مسکرائی، اس نے دلجیت سے پوچھا،

"بتا دوں؟"

اوتار نے کہا،

"نیک باتوں کے لئے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی، بتاؤ!"

عفت بولی،

"یہ کہہ رہی تھیں میں اس گھر سے نہیں جاؤں گی، میری لاش جائے گی!"

اوتار نے دلجیت سے پوچھا؟

"کیوں دلجیت؟"

وہ بولی،

"ہاں ٹھیک ہے!"

"یہ کیوں کہا تھا تم نے؟"

نے باتیں بتائی ہیں میرے دل میں تم سے بڑھ کر کسی کی عزت نہیں ہے!"

دلجیت نے کہا،

"یہ لو، یا تو نفرت تھی یا عقیدت شروع ہو گئی، آپ لوگوں کا بھی کچھ ٹھیک نہیں ہے"

اوتار نے عفت سے کہا،

"کیوں بہن تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

وہ بولی

"کہاں کے بارے میں؟"

"یہاں رہو گی، یا ہمارے ساتھ چلو گی؟"

عفت نے کہا،

"کیا آپ جا رہے ہیں؟"

وہ بولا

"ہاں میں بھی، اور میرے ساتھ دلجیت بھی، اور میاں مہندر بھی!"

وہ حیرت سے بولی،

"سچ؟ واقعی؟"

عفت نے مسکراتے ہوئے دلجیت کی طرف دیکھا اور کہا،

"کیوں دلجیت؟"

دلجیت مسکرا کر خاموش ہو گئی،

عفت نے کہا،

"تم تو کچھ اور کہہ رہی تھیں؟"

اوتار نے پوچھا،

"کیا کہہ رہی تھیں؟"

عفت پھر مسکرائی، اس نے دلجیت سے پوچھا،

"بتا دوں؟"

اوتار نے کہا،

"نیک باتوں کے لئے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی، بتاؤ!"

عفت بولی،

"یہ کہہ رہی تھیں میں اس گھر سے نہیں جاؤں گی، میری لاش جائے گی!"

اوتار نے دلجیت سے پوچھا؟

"کیوں دلجیت؟"

وہ بولی،

"ہاں ٹھیک ہے!"

"یہ کیوں کہا تھا تم نے؟"

"یہ عفت تو پگلی ہے، اچھی خاصی"

عفت بول پڑی،

"یہ کیوں جناب؟"

اوتار نے کہا،

"ہاں بھئی تمہیں صفائی دینی پڑے گی، اب تو؟"

دلجیت نے کہا،

"اگر میں اکیلی تمہارے حوالہ کی جاتی تو بے شک اپنی جان دے دیتی، لیکن اب تو ایک ہی رات میں اللہ میاں نے انقلاب کر دیا، اب یہاں ہندر کو مجھ سے چھیننے والا کوئی نہیں ہے، وہ اب میرا ہے، اور میرے ساتھ جائے گا، پھر میں مروں کیوں کیوں؟"

اوتار نے ہندر کو گود میں لے کر کہا،

"تو یہ سردار بہادر ہندر سنگھ بھی ہمارے ساتھ چلیں گے؟"

دلجیت بولی،

"ضرور چلیں گے، ان کے بغیر لطف کیا آئے گا؟"

عفت بولی۔

"ہاں اور کیا ——— کبھی روئیں گے کبھی ہنسیں گے، کبھی موتیں گے، یہ ساری دلچسپیاں بغیر ان کے

کہاں مل سکتی ہیں؟

کہاں ملیں گی؟"

دلجیت ہنسنے لگی، اس نے اوتار سے کہا،

"وقت کم ہے، اب پروگرام بننا چاہئے!"

اوتار نے کہا،

"بہت وقت ہے پھر وہی حسبلد بازی"

عفت نے کہا،

"دلجیت نے ٹھیک کہا، پرسوں تک سردار صاحب آجائیں گے۔ اور کل شائد سردارانی بھی آجائیں اور ان کے آنے کے بعد، دلجیت تو آپ کو مل جائے گی، لیکن میری دلجیت کو اس کا ہندر نہیں ملے گا"

دلجیت نے روہانسی ہو کر کہا،

"عفت ایسی باتیں نہ کرو، ہندر ہمارے ساتھ جائے گا!"

اوتار نے کہا،

"ضرور جائے گا ——— تم ذرا بھی فکر نہ کرو، میں کوئی معمولی آدمی نہیں، اوتار سنگھ ہوں، اوتار سنگھ ———!"

وہ ہنسنے لگا، دلجیت مسکرادی، پھر بولی،

"ہاں معلوم ہے! ——— لیکن اگر اوتار کی

قلعی کھول دوں، تو ساری بہادری دھری رہ جائے۔"

عفت ہنس پڑی

"ہاں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اوتار سنگھ بہادر سچ مچ کے مسلمان ہیں، تو ان کی ہڈیاں پسلیاں، تبرک بنا دی جائیں!"

اوتار نے ایک قہقہہ لگایا۔

"لیکن میں نے تنہا مرنا نہیں سیکھا ہے، اپنے ساتھ دو چار کو تو لے ڈوبوں گا۔"

دلجیت سہم گئی،

"نہ بھئی ایسی باتیں نہ کرو!"

عفت بولی،

"ارے گھبرا گئیں، ہماری دلجیت کور؟"

وہ بولی،

"دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں!"

عفت بھی سنجیدہ بن گئی، اس نے کہا،

"ٹھیک کہتی ہو، اگر یہاں سے بچ نکلے تو ہنسنے اور خوش ہونے کے لئے ساری زندگی پڑی ہے، اس وقت تو یہاں سے نکلنے کی تدبیر سوچنی چاہئے، کسی طرح؟"

اوتار نے بے پروائی کے ساتھ کہا،

"سوچنا کیا ہے؟ بس آج رات کو ڈیا خیہ اٹھ جائے گا، ہم

سب کا یہاں سے!"

کچھ سوچتی ہوئی عفت بولی،

"رات میں؟ سارا دن یہاں ضائع کیا جائے؟"

دلجیت نے کہا،

"رات میں تو ابھی بہت دیر ہے!"

اوتار نے کہا،

"بھئی اگر خیریت کے ساتھ گھر پہونچنا ہے۔ تب تو رات ہی کو یہاں سے چلو، اور اگر یہاں سے نکل کر ہسپتال یا قبرستان میں پہونچنے کا جی چاہ رہا ہے، تو پھر دیر کاہے کی؟ اٹھو!"

سب ہنسنے لگے،

اوتار نے کہا،

"سامان بہت مختصر ہونا چاہئے"

دلجیت نے جواب دیا؟

"ہاں مختصر ہو گا _____ لیکن میں، زیور ضرور لے چلوں گی ساتھ _____"

"زیور؟ زیور کہاں سے آئے؟"

"میں نے دیکھا ہے، میرا تمام زیور یہاں موجود ہے معلوم ہوتا ہے، بھاگتے بھاگتے یہی سارا زیور اور روپیہ یہ بٹور لائے!"

اوتار نے کہا،

"تمہیں دو چوریوں کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ صرف ایک کی اجازت ہے؟"

دلجیت نے کہا،

"چوری کیسی؟"

اوتار بولا۔

"یا تو ھندر کو چرا لو، یا زیور کو؟"

"واہ! میں تو دونوں لوں گی۔"

وہ بڑی سنجیدگی سے گویا ہوا،

"نہیں بھئی، یہ ٹھیک نہیں ہے۔ دشمن کو بھی اتنا نہیں ستانا چاہئے، کہ وہ رو دے۔ ھندر تمہارے لئے کافی ہے۔ رہا زیور تو خدا نے چاہا اس سے اچھا اور زیور میں تمہیں بنوا دوں گا۔"

وہ بے بسی سے عفت کی طرف دیکھنے لگی،

"ذرا ان کی سنو!"

عفت بولی،

"ٹھیک کہتے ہیں، جان کا صدقہ مال ——————

تمہیں ھندر مل گیا۔ ساری دنیا کی نعمت مل گئی، پھر اب اور تمہیں چاہئے کیا؟"

دلجیت نے کہا،

"تو واقعی چھوڑ دوں؟ نہ لے جاؤں"

عفت بولی،

"ہاں جی۔"

دلجیت خاموش ہو گئی،

اوتار نے کہا،

"بس بھئی یہ طے ہو گیا؟ سردار صاحب کی چیز کو ہاتھ نہ لگانا جو مختصر سا سامان اپنے ساتھ لائی ہو، وہی لے کر چل دو۔"

دلجیت نے کہا،

"اچھا!"

---

(۱۶)

وہ اندھیری رات

پانی رم جھم برس رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا اب کا برسا پھر کبھی نہیں برسے گا، اندھیرے کا یہ عالم تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا کبھی کبھی بجلی چمک کر بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھا کر پھر بادلوں کے پردوں میں چھپ جاتی تھی، سڑکوں پر گھٹنوں گھٹنوں پانی کھڑا تھا۔ آمد و رفت بالکل بند ہو گئی تھی، سب

لوگ دبکے دبکائے، گھروں میں بیٹھے تھے، حالانکہ رات ابھی زیادہ نہیں گئی تھی، صرف گیارہ بجے تھے،

اس حالت میں اوتار، باہر سے اندر گیا۔ وہاں عفت اور دلجیت اپنی ساری تیاریاں مکمل کر کے پا بہ رکاب بیٹھی تھیں اوتار نے کہا،

"بارش کتنے زور کی ہو رہی ہے؟"

دلجیت بولی،

"ہماری مشکل آسان کرنے کے لئے!"

عفت نے کہا،

"اسے تائید غیبی سمجھئے۔ بس اللہ کا نام لے کر چل دیجئے!"

اوتار نے جواب دیا،

"چلو! واقعی بڑا اچھا موقعہ ملا ہے،"

اور یہ تینوں چوروں کی طرح چپ چاپ، دبے پاؤں گھر سے باہر نکلے باہر سے دروازہ بھیڑا، ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے، اور چل کھڑے ہوئے،

دلجیت اس سفر سے بہت خوش تھی، اس کا ہونہار اسکی گود میں تھا، اس کا عاشق زار اس کے ساتھ تھا، وہ جہنم سے نکل کر جنت کی طرف تیز قدم بڑھاتی ہوئی جا رہی تھی!

اور عفت ؟ ——————

عفت کا دل ہچکولے کھا رہا تھا، اس کے قدم آگے بڑھ رہے تھے، لیکن کمزور اور ناتواں دل، زور زور سے دھڑک رہا تھا، اس پر دہشت غالب تھی، خوف سے اس کی گھگھی بندھی ہوئی تھی، وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی، اگر پکڑی گئی ؟ اگر کسی نے پہچان لیا ؟ تو ——————؟

اور اس تو کا جواب بہت مشکل تھا !

زندگی کا بہت تھوڑا حصّہ اس نے غیروں کے ساتھ، اور غیروں کے قبضہ میں گذارا تھا، اور اس مختصر سی مدّت میں، اس نے جو ظلمی، اور روحانی اذیتیں برداشت کی تھیں، ان کی کوئی تھاہ نہیں تھی، اب وہ ان مصیبتوں کے بھنور سے آزاد ہوئی تھی، لیکن ڈرا ہوا دل بار بار ڈراتا تھا۔

—————— کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے !

اور، مولا ؟

مولا، اطمینان سے، ہر غم اور پریشانی سے آزاد، خوشی کے جھولے جھولتا ہوا، آگے بڑھ رہا تھا، آج وہ بہت خوش تھا، اپنی ساری زندگی کی خوشیاں اگر وہ جمع کر لیتا تو بھی آج کی خوشی، اس سے بازی لے جاتی،

اسے اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ دلجیت اس کی بن جائے گی

وہ دلجیت کا بن جائے گا، لیکن یہ دنیا اتفاقات کی دنیا ہے، یہاں اس طرح کے اچانک اور خلاف توقع واقعات آئے دن رونما ہوتے رہتے ہیں !

پانی برابر برس رہا تھا !

اور اب، بادل کی گرج اور بجلی کی چمک نے بڑی بھیانک صورت اختیار کر لی تھی، لیکن تین آدمیوں کا یہ چھوٹا سا قافلہ بچ بچا کر، برابر آگے بڑھ رہا تھا !

آخر خدا خدا کر کے رات ختم ہوئی،

سورج نے بادل کی اوٹ سے اپنا منہ نکالا،

اور دنیا کا کاروبار پھر شروع ہو گیا۔

سردار دلیپ سنگھ کا مکان اندر سے خالی اور دروازہ باہر سے پھٹا ہوا تھا، وہ جالندھر میں اپنا ضروری کام نپٹا رہے تھے، اور سردارنی لاجو کے پاس بیٹھی ہوئی کڑوی کڑوی باتیں کر رہی تھیں اور یہ باتیں، آدھی رات سے جو شروع ہوئیں تو اب تک جاری تھیں، انھوں نے لاجو کو جب دلجیت کی واپسی کا حال سنایا تو وہ بہت خوش ہوئی، لیکن اس کی خوشی بہت جلد ماند پڑ گئی، جب اس نے بہن کی زبان سے سُنا،

"لیکن گیا کریں لاجو —————— دلجیت ہماری

ہے لیکن ہم اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکتے، اسے واپس
لوٹا دینے پر مجبور ہیں!"

لاجو نے پوچھا،

"یہ کیوں؟ یہ کیسی مجبوری ہے؟"

سردارنی نے جواب دیا،

"یہ اس لئے لاجو ——— کہ دلجیت اب
ہماری نہیں رہی، وہ خراب ہو چکی ہے، اس کی آبرو لٹ چکی ہے
وہ کسی کام کی نہیں رہی!"

لاجو نے ذرا خفا ہو کر پوچھا،

"بہن جھوٹ نہ بولو! ——— دلجیت جتنی پہلے
پوتر تھی، اب اس سے کہیں زیادہ ہے، اس نے کوئی پاپ نہیں
کیا، اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا، وہ مجبور تھی، حیوانوں
نے اسے خراب کیا، اس کی آبرو مٹی میں ملا دی، لیکن جس طرح
سونا بھٹی سے نکل کر، اور زیادہ کھرا ہو جاتا ہے، اسی طرح دلجیت بھی زندگی
اور حیوانیت کی بھٹی میں تپ کر، کندن بن کر نکلی ہے، وہ اب
پہلے سے زیادہ ہماری ہے، اب ہم سے کوئی نہیں چھین
سکتا!"

سردارنی بگڑ گئیں،

"تو تو پاگل ہے اچھی خاصی!"

لاجو بھی بھری بیٹھی تھی،

اس نے کہا،

"بہن ایک بات بتاؤ؟"

وہ روٹھی ہوئی بولیں،

"پوچھ! جو تیرا جی چاہے،"

لاجو نے کہا،

"اگر یہی دشا میری ہوئی ہوتی، جو دلجیت باعفت کی ہوئی
اور میں لٹ کر اپنا سب کچھ کھو کر تمہارے چرنوں میں پہنچتی
تو کیا تم مجھے پناہ نہ دیتیں؟ نکال دیتیں اپنے گھر
سے؟"

اس اَن ہوئی بات کے تصور ہی سے سردارنی کا نرم دل
رو پڑا۔ انھوں نے آنکھوں میں آنسو بھر کر بھرائی ہوئی آواز میں
کہا،

"ایسی بات نہ کر لاجو ——— تیرے دشمنوں پر
ایسے دن آئیں!"

لاجو نے کہا،

"آئیں یا نہ آئیں اس سے بحث نہیں، سوال یہ ہے کہ اگر
ایسا ہوتا ———؟"

"کیوں ہوتا ؟"

"فرض کر لو، ذرا دیر کے لئے، اگر ہوتا، تو تم کیا کرتیں میرے ساتھ ؟"

"تجھے اپنے کلیجے سے لگا لیتی، اور کیا کرتی ؟ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے ؟"

لاجو نے پھر سوال کیا،

"پھر یہی سلوک تم دلجیت کے ساتھ کیوں نہیں کرتیں ؟ وہ کوئی غیر تو نہیں، اپنے ہی خاندان کی ہے، اپنی ہے، اپنے مرے ہوئے بھائی کی نشانی !"

سردارنی جھنجلا گئیں،

"دیکھ لاجو، یہ نہ کہہ، ——— تو نہیں جانتی جب میں دلجیت کو دیکھتی ہوں، تو میری آنکھوں میں خون اتر آتا ہے وہ اب تک زندہ ہے، اور میرا ماں جایا بھائی اس کی بھینٹ چڑھ گیا، کاش یہ مرگئی ہوتی اور وہ زندہ ہوتا !"

رونے لگیں !

لاجو نے کہا،

"بہن تم تو بچوں کی سی باتیں کر رہی ہو ؟ جو کچھ ہوتا ہے، وہ ہماری مرضی سے نہیں ہوتا، بھگوان کی مرضی سے، اسی کے حکم سے ہوتا ہے !"

"ہاں تو ؟"

"تو مطلب یہ ہے کہ اگر وہ زندہ رہی، اور ہمارا پیارا بھائی موت کے گھاٹ اتر گیا، تو اس میں دلجیت کا کیا قصور ہے ؟ جو مر گیا، اس کی یاد میں ہم آنسو بہاتے ہیں۔ لیکن جو زندہ ہے اس سے ہمدردی کرنا بھی تو ہمارا انسانی فرض ہے !"

سردارنی نے کہا

ہمارا فرض یہ ہے کہ اپنے بھائی کی تنہا یادگار مہندر کو پالیں پوسیں، پروان چڑھائیں، یادگار وہ ہے، دلجیت نہیں !"

لاجو بولی،

"یہ نہ کہو بہن !"

"کیوں نہ کہوں ؟"

"دونوں ہیں ——— دلجیت بھی اور مہندر بھی ——— دونوں ہماری آنکھوں کے تارے ہیں، دونوں کی ہمیں سیوا کرنی ہے، ہم کسی کو نہیں چھوڑ سکتے،"

سردارنی کو جلال آگیا،

"یہ نہیں ہو سکتا لاجو، جس گھر میں مہندر رہے گا، وہاں دلجیت نہیں رہ سکتی !"

لاجو نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا،

"کیوں نہیں رہ سکتی؟"

سرداری بولی،

"ہندر کی بھلائی اسی میں ہے!"

"وہ کیسے؟"

"وہ اس طرح کہ دلجیت اگر ہمارے گھر میں رہی تو کلنک کا ٹیکہ بن کر رہے گی، وہ رہے گی تو اس کی بے آبروئی کی داستان کا چرچا ہوگا، جو لوگ ابتک اسے مظلوم سمجھتے ہیں، اور اس سے ہمدردی رکھتے ہیں، وہی اس کے سایہ سے بھی بچیں گے، اور اس سے ملتے ہوئے اسے اپنے گھر میں بلاتے ہوئے شرمائیں گے اور ان تمام باتوں کا اثر ہندر کی زندگی پر پڑے گا۔ دلجیت کے ساتھ وہ بھی اپنے ساتھیوں میں، اپنی برادری میں اپنے گھر میں ذلیل ہوگا!"

لاجو کو بھی غصہ آگیا،

"لیکن ایسے لوگوں سے ہم ملیں کیوں؟ ایسے لوگ آدمی نہیں شیطان ہیں، ان سے ناتہ رکھنا پاپ ہے!"

سرداری اٹھ کھڑی ہوئیں،

"میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتی ــــــــــــــ اب میں گھر جاؤں گی، وہ جالندھر گئے ہیں، گھر پر کوئی بھی نہیں ہے، گاڑی منگواؤ جلدی سے!"

لاجو بولی،

"اتنی جلدی بھی کیا، شام کو چلی جانا!"

"نہیں ابھی جاؤں گی!"

"اچھا دوپہر کا کھانا تو کھالو!"

"گھر کھاؤں گی!"

لاجو بھی اٹھ کھڑی ہوئی،

"چلو، میں بھی چلتی ہوں!"

سرداری کا ماتھا ٹھنکا،

"تو کہاں چلے گی؟"

وہ مسکراتی ہوئی بولی!

"تمہارے گھر ــــــــــــــ کیوں نہ جاؤں؟ بتاؤ؟"

وہ بھی مسکرا پڑیں،

"چل ــــــــــــــ لیکن ایک بات کہے دیتی ہوں!"

"کہو! ــــــــ نہ جانے کونسی بات کہیں گی،

"وہاں جاکر کوئی فتنہ نہ کھڑا کرنا!"

"تم بہن ہو کر ایسی باتیں کرتی ہو! میں فتنہ کھڑا کردوں گی بھلا؟"

ذرا جھینپ سی گئیں،

"میرا مطلب یہ ہے کہ تم عورت کو زیادہ منہ لگانا، نہ دلجیت

rekhta

کے آگے پیچھے گھومنا، یاد رہے،

"ہاں یاد رکھوں گی ہے تو چلو!"

دونوں بہنیں جلدی جلدی تیار ہوئیں، اور ساتھ ساتھ بیل گاڑی پر امرت سر کی طرف روانہ ہو گئیں،

کوئی ڈھائی تین گھنٹہ کے بعد بیل گاڑی سردار دلیپ سنگھ کے دروازہ پر پہونچ گئی، سردارنی اتر چکی تھیں؟ اور لاجو اتر رہی تھی کہ ایک تانگہ بھی آکر دروازہ پر لگا، اس پر سے سردار دلیپ سنگھ مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے اترے۔

"ایں تم کہاں گئی تھیں؟"

لاجو گاڑی سے اتر چکی تھی، اس کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولیں،

"اس مکار سے پوچھو!"

لاجو نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔

"ہیں مکار کہو گی، تو ہم خفا ہو جائیں گے!"

دلیپ نے پوچھا،

"آخر بات کیا تھی؟"

سردارنی بولیں،

"تمہارے جانے کے بعد، اس چھوکری کے پاس سے آدمی آیا کہ جلدی چلو، لاجو سخت بیمار ہے، میرے تو یہ سنتے ہی ہوش

اڑ گئے، فوراً چل پڑی، وہاں پہونچ کر دیکھتی ہوں اچھی خاصی بیٹھی ہے!

سردار نے ایک قہقہہ لگایا، اور لاجو کی طرف دیکھ کر کہا،

"کیوں ری؟ ——— جھوٹی کہیں کی"

لاجو بولی،

"پھر کیا کرتی؟"

انھوں نے تو نہ آنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

"لیکن دھوکا دینے کی کیا ضرورت تھی؟"

"جب دیکھو جب میں ہی دوڑ دوڑ کر آیا کرتی ہوں، بہن بھی نہیں آتی، آپ بھی نہیں آتے، مجھے لوگ دیتے ہیں طعنے، میں نے بھی کہا میرا نام لاجو نہیں، اگر، بہن کو کھڑے کھڑے نہ بلوا لوں، چنانچہ میں نے بلوا لیا، اور یہ پہونچ گئیں، میری لاجو، میری لاجو کہتی ہوئی!"

سردارنی کے خشک چہرے پر بھی ہنسی دوڑ گئی، کہنے لگیں،

"اب یہیں کھڑے کھڑے رات کر دے گی؟ چل اندر چل!"

دونوں بہنیں اندر گئیں، دلیپ نے تانگے والے کو پیسے دئیے اور سیدھے اوتار کے کمرے میں پہونچے، وہاں اوتار نہیں تھا، انھوں نے آواز دی!

"اوتار!"

مگر صدائے برنخاست

پھر دو مرتبہ پکارا،

"اوتار! اوتار!"

مگر اب بھی کوئی جواب نہیں ملا،

ادھر ادھر دیکھا بھالا، مگر کہیں اوتار نظر نہ آیا،

ایک پڑوسی جارہا تھا، اس سے پوچھا،

"اوتار کو تو نہیں دیکھا کہیں؟"

وہ بولا،

"نہیں؟ ——— اوتار کون؟"

پھر آگے بڑھ گیا،

سردار کے دل میں خیال آیا، معلوم ہوتا ہے، کمبخت جُل دے گیا، اب دلجیت کا کیا ہوگا؟ اسے کس کے حوالے کروں؟

یہی سوچتے ہوئے وہ اندر پہونچے اور سردارنی سے کہا۔

"اوتار دھوکہ دے گیا، وہ چلا گیا، وہ بھاگ گیا!"

سردارنی نے مردہ آواز میں کہا،

"اور دلجیت؟"

وہ بولے،

"دلجیت کو کیا ہوا؟"

اور زیادہ آہستہ سے بولیں،

"وہ بھی نہیں ہے!"

سردارنے چیخ کر پوچھا،

"اور ہندر؟"

سردارنی رونے لگیں،

"وہ بھی نہیں ہے!"

"سردار نے کہا"

"وہ بھی نہیں؟"

اور خود ان کی خشک آنکھوں میں آنسوؤں کا تالاب بھر آیا!

وہ بولے،

"عجیب معاملہ ہے ——— جب ہم خود ہی، دلجیت اور اوتار کو ایک کئے دے رہے تھے تو آخر بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟"

سردارنی نے جواب دیا،

"ہندر کے لئے!"

سردار نے گرج کر کہا،

"ہاں! میں سمجھ گیا، اس بدمعاش کو"

اور اس ہاں میں اتنا زور تھا کہ اگر دلجیت اور اوتار سامنے

ہوتے تو شائد دونوں کا ابھی قلع قمع ہو جاتا!

اتنے میں، لاجو، ایک خط لئے ہوئے آئی۔ اس نے دلیپ سے کہا،

"یہ لو"

"یہ کیا ہے؟" "دلجیت کا خط!"

سردار نے جلدی سے خط کھولا، اور پڑھنا شروع کیا، دلجیت نے لکھا تھا:۔

"میں جہاں سے آئی تھی، وہیں پھر واپس جا رہی ہوں، جب بھائی کا گھر بھی مجھے پناہ نہ دے سکا، تو اب میں کس سے آس لگاؤں؟ شیخ اللہ دتا کبھی، مجھے اتنے یاد نہیں آئے، جتنے اس گھر میں، وہ آدمی نہیں فرشتہ ہیں، انھوں نے مجھے اپنی لڑکی بنایا اور ثابت کر دیا واقعی، وہ مجھے اپنی سگی لڑکی کی طرح چاہتے ہیں، انھوں نے مجھے پناہ دی، انھوں نے میری عزت کی رکھوالی کی، انھوں میرے لئے اپنے سگے بیٹے کو گھر سے نکال دیا، دلیپ سنگھ کی ماں میری ماں تھی، لیکن اللہ دتا سے میرا کوئی رشتہ نہیں تھا۔

مگر دلیپ سنگھ کے دروازے میرے لئے بند ہو چکے

ہیں، اور اللہ دتا کے دروازے ماں کی گود کی طرح میرے لئے کھلے ہوئے ہیں، اور ہمیشہ کھلے رہیں گے، میں وہیں جا رہی ہوں،

جاتے جاتے ایک بات اور کہتی جاؤں،

میں اوتار کے ساتھ جا رہی ہوں، وہی اوتار جسے آپ میرا جیون ساتھی اپنی طرف سے بنا چکے ہیں، لیکن معلوم ہے یہ اوتار سنگھ کون ہے؟

یہ اللہ دتا کا بیٹا، مولا ہے جو مجھ سے محبت کرتا ہے، لیکن جس نے کبھی میرے بدن کو ہاتھ نہیں لگایا، جس نے محبت کرنے کے باوجود یہ گوارا کر لیا کہ مجھے اپنے گھر سے نکال کر تمہارے گھر میں پہونچا دے، خود عمر بھر روئے مگر ایک کافر عورت کو حفاظت آرام، اور اطمینان سے اس کے اعزا کے پاس پہونچا دے۔

تو میں اس اوتار سنگھ یعنی مولا کے ساتھ واپس جا رہی ہوں، جسے آپ میرا جیون ساتھی بنا چکے تھے ——— واقعی اب وہ میرا رفیق زندگی ہوگا میں نے طے کر لیا ہے کہ اس کے گھر پہونچتے ہی اس سے نکاح کر لوں گی!

اور ہاں !
مہندر میرے ساتھ ہے !
اور عفت بھی !'

دلجیت !

سردار نے خط پڑھا ، اور غصہ سے چاک کر کے پھینک دیا۔

"حرامزادی !"

سردارنی نے لاجو سے پوچھا ،

"کیا لکھا ہے ؟"

اور لاجو نے مزے لے لے کر خط سنانا شروع کیا ، سردار غصہ میں آگ بگولہ بنے ہوئے باہر چلے گئے ، خط سُن چکنے کے بعد سردارنی نے کہا ،

"دیکھا تم نے ؟ کمینی کو ،"

لاجو بولی

"ہاں دیکھ لیا !"
کہنے لگیں۔

"میں نہ کہتی تھی ، دلجیت اس قابل نہیں کہ ہمارے گھر میں رہے ؟"

لاجو نے جواب دیا ،

"وہ تو رہنے ہی کے لئے آئی تھی ۔ لیکن جب اسے دھتکارا گیا ۔ تو آخر اور وہ کیا کرتی ؟"

سردارنی کو بڑی حیرت ہوئی ،

"تیرے خیال میں اس نے اچھا کیا ؟"

"لاجو بولی"

"ہاں ! ——— پھر اور کیا کرتی بیچاری ؟"

"اچھا کیا اس نے ؟"

"ہاں بہت اچھا کیا"

"میں پوچھتی ہوں لاجو ، تجھے ہو کیا ہے ؟"

"کیوں میں نے کیا کیا ؟"

"تجھے ہر وہ بات پسند ہے ، جو ہمیں ناپسند ہے"

"ایسا تو نہیں ہے !"

"کیسے نہیں ہے ؟ ——— تو نے عفت سے بہناپا کیا ، تو نے دلجیت کے گن گائے اور دیکھ دونوں بھاگ کھڑی ہوئیں ، حرامزادیاں !"

لاجو ہنس پڑی ۔

"تو اور وہ کیا کرتیں ؟ ——— میں ان کی جگہ ہوتی تو میں بھی یہی کرتی !"

طعن آمیز لہجہ میں جواب دیا

"بڑا اچھا کرتیں !"

سمجھانے کے لہجہ میں لاجو نے کہا،

"بہن برا نہ مانو تو ایک بات کہوں ؟"

جل کر بولیں،

"معاف کرو بہن سن لیا !"

وہ خوشامد کرنے لگی،

"میری بہن نہیں !"

ذرا نرم پڑیں،

"تو کہتی کیوں نہیں ؟"

وہ بولی،

"تم دلجیت اور عفت دونوں سے اپنا دل صاف کرلو"

"کیوں کروں ؟"

"اس لئے کہ وہ بے خطا ہیں"

"بے خطا ــــ وہ بے خطا ہیں ؟"

"ہاں بالکل بے خطا، معصوم !"

"یہی کہنا تھا تجھے ؟"

"ہاں بہن ــــ تم کسی کام کو اپنی خوشی یا ناخوشی کے پیمانے سے ناپنے کی کوشش مت کرو !"

"پھر کیا کروں ؟"

"یہ دیکھو جو کچھ ہوا وہ صحیح تھا یا غلط !"

"یہی تو دیکھتی ہوں"

"بالکل نہیں دیکھتیں ــــ دیکھو اور غور کرو، عفت کو ہم لوگ پکڑ لائے اور اس کے ساتھ جو چاہا کیا !"

"ہاں تو ــــ پھر ؟"

"پھر اگر اسے موقع مل گیا، اور وہ بھاگ گئی، پھر خفا ہونے کی کیا بات ہے ؟"

سردارنی نے کہا،

"میں اس پر خفا نہیں ہوتی، اسے تو بھاگنا ہی چاہئے تھا لیکن رہ رہ کے مجھے دلجیت پر آتی ہے،"

"کیا ؟ کیا بات ؟"

"دیکھو ہم میں اور مسلمانوں میں یہ فرق ہے،"

"کوئی فرق نہیں بہن !"

"کیسے نہیں لاجو ــــ عفت مسلمان تھی، پھر مسلمانوں میں واپس چلی گئی، اور دلجیت ؟"

لاجو نے کہا،

"پھر وہی الٹی بات ــــ دلجیت مسلمانوں کے پاس سے بھاگ کر آئی، یہ اس نے غلطی کی، خود ایک مسلمان کی حفاظت میں، بھائی کی محبت، بھابی کے خیال اور بچہ کی الفت

سے مجبور ہو کر یہاں آئی، اور یہاں آ کر اس کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا، کیا برتاؤ ہوا؟"

"کیا ہوا؟ کچھ بھی نہیں!"

لاجو نے ذرا جھنجھلا کر کہا،

"خود مجھے بتا چکی ہو کہ دلجیت عفت کے ساتھ رہتی تھی، اس کے کھانے پینے کے برتن الگ تھے۔ اس کے بارے میں یہ فیصلہ ہو چکا تھا، کہ وہ اس گھر میں نہیں رہ سکے گی، اوتار کے گلے منڈھ دی جائے گی، پھر اگر یہ سلوک، اور یہ برتاؤ دیکھ کر وہ وہاں چلی گئی، جہاں سے آئی تھی، تو خفا ہونے اور کوسنے کی کیا ضرورت ہے؟ ——————

میں کہتی ہوں، اگر تم نے عفت کے ساتھ وہی برتاؤ کیا ہوتا جو اللہ وتلے نے دلجیت کے ساتھ کیا۔ تو وہ ایسی محبت کی بندی تھی کہ ہرگز اس گھر کی دہلیز چھوڑ کر کہیں نہ جاتی، میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں، بہن!"

وہ رو دھو کر بولیں،

"اے چل ہٹ!"

اتنے میں سردار دلیپ سنگھ، سولہ سنگار کئے ہوئے تشریف لائے، کرپان ان کے گلے میں حمائل تھی، کمر سے تلوار لگی تھی، ہاتھ میں پستول تھا۔ آنکھیں خون برسا رہی تھیں۔

اس منظر کو دیکھ کر سردارنی تھر تھر کانپنے لگیں، اور لاجو بھی گھبرا گئی، سردارنی نے ڈرتے ڈرتے، بڑے سہمے ہوئے لہجہ میں پوچھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

وہ گرج کر بولے،

"مرنے اور مارنے!"

لاجو کے حواس درست ہو چکے تھے، اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"کسے؟ ——————کہاں؟"

کہنے لگے،

"دلجیت کو، اوتار کو، اور عفت کو!"

لاجو نے سوال کیا،

"لیکن وہ لوگ ملیں گے کہاں؟"

بڑے مستقل لہجہ میں کہا۔

"ان کے گھر جا کر ماروں گا۔ یا اپنی جان دے دوں گا۔

—————— دلجیت پھر مسلمانوں میں جا کر رہے، یہ میں نہیں برداشت کر سکتا!"

لاجو سے ضبط نہ ہو سکا۔

"لیکن آپ ہی نے تو بھیجا اسے"

برس پڑے

"میں نے؟ ——— جھوٹ، غلط"

اب بات نہ بناؤ،

"بالکل غلط! ——— بالکل جھوٹ"

"کیا دلجیت کا ہاتھ اوتار کے ہاتھ میں آپ نے نہیں دیا تھا؟"

"دیا تھا لیکن وہ اوتار تھا، مولا نہیں تھا!"

لاجو نے جواب دیا،

"یوں نہ کہئے، یوں کہئے، آپ نے اسے پناہ دینے سے انکار کیا، اور وہ آپ کا دروازہ بند پاکر، پھر وہاں چلی گئی، جہاں سے آئی تھی، جہاں اسے پناہ ملی تھی!"

سردارنی، سردار کے پاؤں سے لپٹ گئیں،

"نہ جاؤ"

اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

---

(۱۷)

نئی منزل

اللہ دتا ناشتہ کرکے کھیت جانے کے لئے اٹھے، اتنے دنوں میں ان کی تیر کی طرح سیدھی کمر، کمان کی طرح جھک گئی تھی، چہرے کی جھریاں بڑھ گئی تھیں، جب تک مولا گھر میں تھا وہ اپنے آپ کو ایک نوجوان سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ جب سے وہ گیا تھا، بڑھاپا، تیزی سے ان پر مسلط ہوتا جا رہا تھا، وہ

بے بس اس وار روکنے کی کوشش کرتے تھے، مگر کامیاب نہیں ہوتے تھے!

جاتے جاتے کہنے لگے،

"اگر میں مرگیا، تو مجھے قبر میں کون اتارے گا، مولا تو دغا دے گیا!"

بیوی کہنے لگیں،

"تمہارے منہ میں خاک، خدا نہ کرے ——— ایسی باتیں کرتے ہوئے ذرا تو ڈرا کرو ——— مریں تمہارے دشمن، اور میرا مولا دغا کیوں دیتا؟ خود تم نے ہی اسے طعنے دے دے کر بھگایا، اور اب آنسوں بہا رہے ہو، واہ!"

اللہ دتا نے جلدی سے اپنے آنسو، جذب کر لئے، اور کہا،

"میں روتا نہیں، مولا کا غم مجھے کھائے جاتا ہے واقعی میں نے اس پر زیادتی کی!"

وہ بولیں،

"خدا کا شکر ہے، زندگی میں پہلی مرتبہ اپنی غلطی مانی تو تم نے؟"

جواب دیا۔

"یہ مانتا ہوں کہ میں نے ضرورت سے زیادہ اس پر سختی کی لیکن دلجیت کے سلسلہ میں جو کچھ میں نے کیا وہ بالکل ٹھیک تھا!"

روئے لگیں،

"دلجیت کا ذکر نہ کرو، واقعی ہم اس قابل نہ تھے۔ کہ وہ ہمارے گھر میں رہتی!"

کچھ سوچ کر کہنے لگے۔

"مولا اگر میری وجہ سے گیا ہے، تو دلجیت یقیناً تمہاری وجہ سے گئی ہے!"

سنبھل بیٹھیں،

"یہ کیوں؟ یہ کس طرح؟"

کہنے لگے،

"تم نے ضرور، اسے مولا سے عشق کرنے کی ترغیب دی ہوگی پھر بڑی شفقت سے شادی کر لینے کی تلقین بھی کی ہوگی کیوں ہے نا ٹھیک!"

بگڑ گئیں،

"بالکل غلط، لیکن میں کہتی ہوں، اگر میں ایسا کرتی بھی تو کیا بُرا کرتی؟ کیا میرا مولا اس قابل نہیں ہے کہ اس سے محبت کیجائے؟ صورت میں، سیرت میں، گن میں، سبھاؤ میں، کس چیز میں وہ کسی سے کم ہے؟ رہی شادی، تو وہ بھی کوئی گناہ کی بات نہیں ہے!——— جب تو نہیں اب کہتی ہوں اگر وہ یہاں ہوتی، تو ضرور میں ایسا کرتی، لیکن تمہاری ایسی کالی زبان ہے

کہ سلا تو گیا ہی تھا، تم نے بیچاری دلجیت کو بھی بھگا کر دم لیا!"

جھریاں پڑے ہوئے چہرے پر ہنسی کھیلنے لگی۔ فرمایا۔

"تو اکیلی دلجیت ہی تو نہیں ہے دنیا میں؟

سینکڑوں ہزاروں لڑکیاں، ایک سے ایک مل جائیں گی تمہارے لال کو!"

"ہاں مل جائینگی، لیکن وہ تو دلجیت کو چاہتا ہے، اسے تو وہی چاہئے!"

"کیوں وہی چاہئے، وہ نہیں مل سکتی، نہیں ملے گی!"

"دیکھ لینا ملے گی!"

"واہ بھئی کچھ زبردستی ہے؟"

"ہاں ہے ——— تم نے کیوں نہیں کر لی تھی، کسی اور سے شادی؟ کیوں میرے پیچھے کنوئیں میں کود پڑتے تھے ———؟"

دونوں مسکرانے لگے۔ اللہ دتا نے مسکراتے مسکراتے ایک نوجوان قہقہہ لگایا، اور کہا،

"کہاں کی بات کہاں لے جاتی ہو تم بھی!"

اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، اللہ دتا نے بیوی سے پوچھا۔

"کون ہے؟ ——— اس وقت کون آگیا؟"

"کچھ سٹھیا گئے ہو؟ میں کیا جانوں کون ہے؟ جاؤ دیکھو جا کر!"

اتنے میں پھر کھٹکھٹاہٹ کی آواز آئی، اللہ دتا نے کہا۔

"ارے وہ ہوگا۔ اسمٰعیل ——— مفت میں سر کھائے گا گھنٹوں، جاؤ کہدو، سو رہے ہیں، میرا لیٹنے کو جی بھی چاہ رہا ہے!"

وہ دروازے پر پہونچیں، ان کے پہونچتے پہونچتے پھر کسی نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا، کہنے لگیں۔

"ارے کون؟ اسمٰعیل ہے ———؟"

یہ کہتے کہتے دروازہ جو کھولتی ہیں، تو سامنے مولا کھڑا ہے چیخ پڑیں۔

"مولا میرا بچہ!"

وہ آگے بڑھا، ماں نے اسے کلیجہ سے لگا لیا،

"تو آگیا؟ میری جان میری زندگی!؟"

"ہاں ماں! میں آگیا تمہارے قدموں میں"

"کہاں چلا گیا تھا؟ میرے چاند؟"

"یہ دیکھو، کتنا اچھا تحفہ لایا ہوں؟"

مولا نے سفید چادر میں لپٹی ہوئی ایک عورت کی طرف اشارہ کیا، بڑی بی نے بیٹے سے پوچھا،

"یہ کون ہے؟"

اس نے جواب دیا،

"یہ ہے ——— تم خود ہی دیکھ لو!"

ماں نے آگے بڑھ کر، اس کا گھونگھٹ اٹھایا، تو یہ دلجیت تھی، وہ پھر چیخ پڑیں،

"دلجیت، میری بچی!"

وہ بھی آکر سینے سے لپٹ گئی، بڑی بی نے پوچھا،

"بیٹی تو آگئی؟"

"ہاں ماں تمہاری محبت مجھے کھینچ لائی پھر سے!"

"لیکن تو گئی کہاں تھی؟ ———"

اتنے میں ان کی نظر عفت پر پڑی، کہنے لگیں،

"یہ کون ہے بیٹی؟"

دلجیت بولی،

"یہ میری بہن ہے عفت ——— ویسی ہی تباہ و برباد جیسی میں ہوں!"

بڑی بی نے اسے بھی سینے سے لگایا، کہنے لگیں دلجیت سے

"بڑا اچھا کیا جو اسے لے آئی!"

اللہ دتا چارپائی پر لیٹے لیٹے گھبرا کر اٹھے، دل ہی دل میں سوچنے لگے،

آخر ڈیوڑھی پر کیا ہو رہا ہے؟

پھر وہ لاٹھی سنبھالے ہوئے اٹھے اور خود ہی دروازے پر گئے،

اللہ دتا کو دیکھ کر مولا پیچھے ہٹ گیا۔ دلجیت نے ادب سے پرنام کیا۔ عفت پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا، یہ کیا ماجرا ہے؟ بیتابی کے ساتھ بولے۔

"ارے مولا تو؟"

وہ ادب سے بولا،

"ہاں بابا!"

بڑے میاں نے کہا،

"میری دلجیت بیٹی تو بھی؟"

وہ آنکھیں جھکا کر بولی،

"ہاں بابا، میں پھر آگئی!"

"لیکن تو گئی کہاں تھی؟"

"اپنے گھر، اپنے بھائی کے پاس"

"پھر چلی کیوں آئی؟ وہاں رہی کیوں نہیں؟"

وہ درد بھری آواز میں بولی،

"اپنے گھر کے دروازے بند پاکر، میں اس گھر میں آگئی جس کے دروازے سدا مصیبت زدہ لوگوں کے لئے کھلے رہتے ہیں۔"

rekhta

"ـــــــــ بابا تم اپنے دروازے تو نہیں بند کر لوگے ہو؟"

وہ گرج دار آواز میں بولے،

"نہیں بیٹی، باپ کا دروازہ بیٹی کے لئے کبھی بند نہیں ہو سکتا!"

بڑی بی نے لقمہ دیا،

"تو ساری باتیں یہیں ہوں گی؟ چلو، اندر چل کر بیٹھو، وہیں باتیں ہوں گی!"

سب لوگ اندر چلے آئے!

بڑی بی نے جلدی جلدی وہ کوٹھڑی صاف کی، جس میں دلجیت رہا کرتی تھی، دلجیت اور عفت اس میں آکر بیٹھ گئیں پھر وہ باورچی خانے میں جاکر ناشتہ تیار کرنے لگیں، دلجیت فوراً پہونچی۔

"میں بنا لوں گی، آپ جائیے!"

"آج تو مہمان ہے، کل سے دیکھا جائے گا!"

"اس گھر میں مہمان بننا ایک گھڑی کے لئے بھی مجھے منظور نہیں ہے ناشتہ میں بناؤں گی!"

بڑی بی مجبور ہو کر اٹھ بیٹھیں، اور شوہر کے کمرے میں پہونچیں، وہاں مولا باپ کے پاس بیٹھا ساری کتھا پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر رہا تھا۔ بڑی بی بھی بیٹھ کر یہ کہانی سننے لگیں۔

مولا نے جس دن سے رخصت ہوا تھا، اس دن سے لے کر آج تک کی ساری سرگذشت سنا ڈالی، دلجیت پر سردار دلیپ سنگھ کے ہاں جو کچھ گذری اس کا بھی ایک ایک حرف سنا دیا، بڑی بی کہنے لگیں

"کتنا کٹھور ہے یہ موا دلیپ بھی"

اللہ دتا نے کہا۔

"ہوا کرے ـــــــــ مولا نے اپنا فرض ادا کر دیا، اب دلجیت اگر ساری زندگی تمہاری بہو بن کر گذارے تو مجھے ذرا بھی اعتراض نہیں بلکہ خوشی ہو گی!"

بڑے اطمینان سے بولیں،

"وہ تو انشاء اللہ ہو گا ہی!"

پھر مولا نے، عفت کی رونگٹے کھڑے کر دینے والی کہانی سنائی کہ جو کچھ اسے خود معلوم تھا۔ جو کچھ اس نے دلجیت سے سنا تھا جو کچھ اس نے عفت سے معلوم کیا تھا، سب!

ایک ایک حرف!

ایک ایک بات!

یہ کہانی سنکر بڑی بی رو پڑیں، انھوں نے کہا،

"یا اللہ یہ ظلم؟ ـــــــــ نہ زمین پھٹتی ہے نہ آسمان ٹوٹتا ہے، ایسے ظالموں کو خدا نے بھی چھوڑ رکھا ہے!"

اللہ دتا نے لقمہ دیا،

"مولا کی ماں یہ نہ کہو! ——— میں پھر وہی کہوں گا جو پہلے کہہ چکا ہوں، دوسروں کا دامن دیکھنے سے پہلے ہمیں اپنی آستین کے دھبوں پر بھی نظر ڈال لینی چاہئے، دوسروں کی آنکھ کا شہتیر دیکھنے سے پہلے ہم اگر اپنی آنکھ کا تنکا بھی دیکھ لیں تو بہت اچھا ہو!"

بڑی بی نے کہا،

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

وہ بولے،

"میں کہنا چاہتا ہوں کہ گناہ، پاپ، ظلم، صرف سکھوں اور ہندوؤں نے نہیں کیا، ہم نے بھی کیا ہے، ان کے کپڑے اگر خونِ ناحق سے لت پت ہیں، تو ہمارے دامن، اور آستین پر بھی خون کے کچھ دھبے ضرور موجود ہیں ——— اس لئے نہ زمین پھٹی، نہ آسمان ٹوٹا،

مولا نے کہا۔

"بابا یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی!"

بڑی شفقت کے ساتھ باپ نے بیٹے کو جواب دیا،

"پنجاب کے درندوں نے جو مظالم، عورتوں، اور بچوں پر ڈھائے ہیں، ان کا تقاضا بھی تھا کہ زمین پھٹ جاتی اور آسمان ٹوٹ

پڑتا۔ لیکن اس ظلم میں مسلمانوں کا بھی یہی حصہ تھا۔ اور خدا مسلمانوں کو غارت کرنا نہیں چاہتا۔ ان سے کام لینا چاہتا ہے، انھیں موقعہ دینا چاہتا ہے۔ وہی کام جو مولا نے انجام دیا۔ اگر ہم مسلمانوں نے کسی عورت کی آبرو نہ لوٹی ہوتی، اور کسی بچہ کو قتل نہ کیا ہوتا۔ یہ مظالم صرف مسلمانوں ہی پر ہوئے ہوتے تو یقیناً طبقہ زمین الٹ جاتا۔ اور قدرت انتقام لے چکی ہوتی ———

——— تم یہ کہو گی، اور میں مانتا ہوں کہ کہہ سکتی ہو ہم نے، یہ پاپ بہت کم کیا، اور دوسروں نے بہت زیادہ لیکن پاپ بہرحال پاپ ہے۔ کمی زیادتی بالکل الگ چیز ہے!"

بڑی بی بولیں،

"ہم نے دلجیت کو بچایا، اس کی حفاظت کی، اور وہاں عصمت کے ساتھ کیا ہوا؟"

بولے۔

"ٹھیک کہتی ہو، لیکن یہ بھی نہ بھولو، وہاں بھی لاجو، موجود تھی جس نے عصمت کی اس طرح حفاظت کی، جس طرح تم نے دلجیت کی، نیک مثالوں کی پیروی کرنی چاہئے، بڑی مثالیں صرف اس لئے ہوتی ہیں کہ ان سے بچا جائے"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک بڑی سینی میں ناشتہ سجا کر دلجیت لائی، اور سامنے لاکر رکھ دیا،

اللہ دتا نے مسکراتے ہوئے کہا،

"ارے بیٹی، یہ کیا؟ ——— آتے دیر نہیں؟ اور کام شروع کرتے دیر نہیں؟ آج تو ذرا سستا لی ہوتیں!"

وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

بڑی بی نے کہا،

"کتنی اچھی لڑکی ہے؟"

اللہ دتا نے مولا سے پوچھا،

"کیوں بیٹے تمہاری کیا رائے ہے؟"

مولا نے مسکراتے ہوئے سر جھکا لیا۔ اللہ دتا نے کہا،

"بڑے ضدی ہو تم ماں بیٹے بھی ——— جو منہ سے نکل جائے وہ ہو کر رہے۔ چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے؟"

بڑی بی بولیں۔

"لیکن ہماری ضد تمہاری ضد کی طرح ناجائز نہیں ہوتی۔ اس لئے ہمیں اپنی رائے اور فیصلہ میں ترمیم کی ضرورت نہیں ہوتی!"

باپ بیٹے نے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کیا، بڑی بی، دلجیت اور عفت کے ساتھ ناشتہ کرنے ان کی کوٹھری میں پہنچ گئیں،

ناشتہ کرتے کرتے اللہ دتا نے۔ مولا سے کہا،

"بیٹے، تم سے ایک بات کہنے کو جی چاہتا ہے!"

وہ بولا۔

"تو کہتے کیوں نہیں بابا!"

"تم سمجھتے ہو گے میں نے تم پر زیادتی کی؟ اور خود میرا دل بھی بعض وقت یہی کہتا ہے ———"

مولا بات کاٹ کر بولا۔

"نہیں بابا۔ میں بالکل یہ نہیں سمجھتا!"

اللہ دتا نے کہا۔

تم نہیں سمجھتے، تو تمہاری ماں کا یہی خیال ہے، لیکن ایک بات یاد رکھو، اگر میں تمہارے ساتھ سختی سے نہ پیش آتا۔ تو تمہارا وہ جوہر دبا رہتا۔ اور پھر خاک میں مل جاتا۔ جس نے تمہیں ایک کھرا بکا، اور سچا مسلمان بنا دیا ——— آج صرف ایک بوڑھے شخص اللہ دتا کو تم پر فخر نہیں ہے بلکہ اسلام کو ہے!"

مولا سر جھکائے باپ کی باتیں سُن رہا تھا۔ اور وہ کہے جا رہا تھا۔

"دیکھو بیٹے، دلجیت، اب بھی تمہاری ہے، لیکن اب میں اور جب میں فرق ہے!"

مولا نے سوالیہ نظروں سے باپ کو دیکھا، اور نظر جھکا لی باپ نے کہا،

"جب اگر تم دلجیت کو خراب کر ڈالتے، یا اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنے نکاح میں لے لیتے تو بھی دلجیت

تمہاری ہی رہتی، لیکن اس کا دل تمہارا ساتھ نہ دیتا، وہ دل میں تم سے نفرت کرتی، اور کبھی بھی تمہاری نہ بن سکتی، اور تمہارے مذہب کی نظر میں بھی تمہارا یہ کام سزا کا مستحق ہوتا۔ اور اب دلجیت دل و جان سے تمہاری ہے، اب زندگی کے لمحہ میں اس کے پاؤں تمہاری وفاداری سے نہیں ڈگمگا سکتے، وہ حاضر و غائب تمہاری ہے اور تمہاری رہے گی، اب دلجیت کو تم اپنا سب کر نہ صرف اپنے مذہب کی نظر میں ایک جائز کام کرو گے بلکہ اس کی خوشنودی کا مزا بھی اپنے آپ کو ثابت کرو گے!"

اور وہاں بڑی بی دلجیت سے کہہ رہی تھیں،

"بیٹی، کوئی دن ایسا نہیں گذرا کہ تجھے یاد کر کے میں روئی نہ ہوں، لیکن تو کتنی ظالم ہے کہ چپ چپاتے چلی گئی!"

دلجیت بولی

"ماں، میں اس لئے گئی تھی کہ پھر آؤں، اور تمہارے چرنوں میں ساری زندگی بتا دوں"

بڑی بی نے شفقت سے دلجیت کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا،

"خدا نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا!"

اتنے میں مولا آیا، اور اس نے عفت سے کہا،

"بہن تمہیں بابا بلاتے ہیں!"

مولا باہر چلا گیا، اور عفت، دلجیت کے ساتھ اللہ دتا کے کمرے میں پہونچی، وہ اپنی پلنگڑی پر لیٹے حقہ گڑگڑا رہے تھے عفت کو دیکھتے ہی اٹھ بیٹھے، کہنے لگے۔

"آؤ بیٹی بیٹھو"

وہ سر جھکا کر، پائنتی بیٹھ گئی، اللہ دتا نے کہا۔

"میں نے مولا سے تمہاری ساری کہانی سن لی، میں تم سے صرف ایک بات کہتا ہوں، اپنے دل میں یہ خیال کبھی نہ آنے دینا کہ تم نے کچھ کھویا ہے، تمہارا دامن آج بھی اتنا پاک ہے کہ فرشتے اس پر نماز پڑھیں۔ تم نے جن مصیبتوں، اور اذیتوں کا مقابلہ کیا وہ اپنے لئے نہیں، اسلام کے لئے، تم نے اسلام پر اپنا حق قائم کر لیا ہے اور یقین رکھو، یہ حق اسلام تمہیں دے گا"

عفت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اسے اپنی زندگی کے مختلف ٹکڑے یاد آنے لگے۔ اللہ دتا نے اسے روتے دیکھ کر کہا۔

"نہیں روتے نہیں ——— تم روتی کیوں ہو بیٹی؟"

"تم کمزور نہیں بہادر ہو، تم نے جس بہادری کا مظاہرہ کیا ہے اس پر تمہیں فخر کرنا چاہیئے!"

عفت نے اپنے آنسو پونچھ لئے اور کہا۔

"مجھے رونا اس پر آتا ہے کہ اب میں کیا کروں گی ؟"

"یہ کیوں بیٹی ؟"

"میرا کوئی سہارا نہیں، میرا کوئی گھر نہیں، کوئی نہیں جسے اپنا کہہ سکوں ؟"

اللہ دتا نے کہا۔

"بیٹی یہ کیا کہہ رہی ہو ——— تمہارا سہارا؟ تمہارا گھر؟ تمہارا اپنا؟ ——— کوئی نہیں ؟ نہیں تم غلط کہہ رہی ہو، یہ سارا ملک تمہارا گھر ہے، ہر مسلمان تمہارا سہارا ہے، پہلے تم صرف ایک گھر سے ناتہ رکھتی تھیں، اور اب یہ سارا دیس تمہارا گھر ہے !"

دلجیت بولی۔

"بابا عفت بہن جیسی عورتیں دنیا میں کم پیدا ہوتی ہیں ان کی مصیبتوں کا خیال کر کے میرا کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔ واقعی انہی کا دل تھا کہ انھوں نے صبر و شکر کے ساتھ یہ سارے دکھ جھیل لئے۔"

بوڑھے اللہ دتا نے جواب دیا۔

"عفت اور دلجیت جیسی عورتیں اگر ہمارے ملک کی مائیں نہ جنتیں تو ہم دنیا میں زندہ رہنے کے حقدار نہ تھے یہ آسمان، یہ زمین تمہی جیسی عورتوں کے چلن اور سبھاؤ پر قائم ہے ——— ہاں بیٹی، میں نے ہمدرد کو نہیں دیکھا !"

دلجیت شرماتی ہوئی اٹھی، اور گود میں ہمدرد کو لئے ہوئے واپس آ گئی، اللہ دتا نے اسے گود میں لے لیا۔ اس بوڑھے کی گود میں ذرا کی ذرا تو ننھے ہمدرد نے اجنبیت محسوس کی، پھر وہ مسکرانے لگا۔ پھر دونوں مسکرانے لگے بچہ اور بوڑھے میں کوئی فرق نہیں ہوتا بڑھاپا بھی ایک قسم کا بچپن ہے۔ اور پھر یہ دونوں بچے کھیلنے لگے سارا دن اسی چہل پہل، اور خوشی میں بسر ہو گیا،

رات کو عفت، اور دلجیت ایک ہی کوٹھری میں سونے کے لئے لیٹیں،

دونوں کے لئے یہ رات، زندگی کی بالکل نئی رات تھی، فرق یہ تھا کہ دلجیت کی رات، صبح پر ختم ہونے والی تھی اور عفت کو یہ رات کٹتی نہیں نظر آتی تھی۔

دلجیت، آج کی رات بہت مطمئن تھی۔ اسے بہت جلد نیند آ گئی، اور اپنی نئی زندگی کا خواب دیکھنے لگی۔ وہ زندگی جس میں کسی دلیپ کا گذر نہیں تھا۔ جس میں کوئی سردارنی نہیں تھی، اس زندگی میں اللہ دتا تھا جو اسے باپ کی طرح چاہتا تھا۔ اللہ دتا کی بیوی تھی جو اس کی ماں بن چکی تھی۔ مولا تھا جو ہزار جان سے اس پر فریفتہ تھا ہمدرد تھا جو اس کے دل کا سکھ، اور آنکھ کا نور تھا، غرض پھول ہی پھول تھے، کانٹوں کا کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا۔ خوشی ہی خوشی تھی، غم کا کہیں ذکر بھی نہیں تھا۔ عیش ہی عیش تھا۔ دکھ اور

معصیت کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔

لیکن عزیب عفت ؟

وہ کروٹ پر کروٹ بدلتی تھی، لیکن نیند کی روٹھی ہوئی دیوی پاس آتے ہوئے جھجکتی تھی!

جب تک وہ سردار دلیپ سنگھ کے ہاں رہی اسے کبھی سکون نہ ملا۔ خوشی سے وہ کبھی ہمکنار نہ ہوئی۔

ذلتیں!

جھڑکیاں!

طعنے!

بے آبروئی!

یہی وہ سوغات ہوتی ہے ہر روز بلکہ دن میں کئی مرتبہ سردار دلیپ سنگھ کے ہاں عطا ہوتی تھی، لیکن ان ذلتوں طعنوں، جھڑکیوں اور بے آبروئیوں کے باوجود زندگی میں ایک یک رنگی تھی، ایک تسلسل تھا ماضی کی یاد ایک فعل عبث تھا۔ مستقبل کا کوئی سوال ہی نہیں تھا صرف حال تھا۔ جو جلدی جلدی تاریک مستقبل کے پردہ میں روپوش ہو رہا تھا۔

لیکن اللہ دتا کے ہاں!

اس گھر میں آنے کے بعد، زندگی کا وہ تسلسل ختم ہو گیا تھا۔ وہ یک رنگی نابود ہو گئی تھی،

اب اس کے دل میں ماضی کی یاد پھر کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی تھی، اب اس کے سامنے مستقبل پھر روپ بدلے کھڑا تھا!

جب تک وہ سردار دلیپ سنگھ کے ہاں تھی اسے صرف موت کا انتظار تھا۔ لیکن اب وہ ایک آزاد ملک میں تھی۔ ایک آزاد قوم کی فرد تھی۔ اب اس کی زندگی بل کھاتی ہوئی اور مچلتی ہوئی، آگے بڑھنے کا راستہ ڈھونڈھ رہی تھی، لیکن راستہ؟

راستہ تھا کہاں!

وہ بار بار سوچتی تھی، میں وہاں سے یہاں کیوں چلی آئی، وہاں میں اور یہاں میں فرق کیا ہے؟ اگر کچھ فرق ہے تو صرف اتنا کہ وہاں امیدیں اور آرزوئیں میرے پاس آتے ہوئے ڈرتی تھیں اور یہاں خانۂ بے تکلف سمجھ کر دندناتی ہوئی چلی آتی ہیں، وہاں میں انھیں بلا نہیں سکتی تھی اور یہاں میں انھیں آنے سے روک نہیں سکتی۔ لیکن وہ آئیں یا نہ آئیں۔ میں انھیں بلاؤں یا نہ بلاؤں بات ایک ہی ہے میرا ان کا ناتہ ٹوٹ چکا۔ وہ اب نہیں جڑ سکتا۔!

وہ سوچتی تھی!،

دلجیت یہاں آ گئی، اچھا ہوا، اسے آنا ہی چاہیے تھا اس کے پاس اس کا جسد ہے اور میرا اور اب کبھی مجھے واپس نہیں مل سکتا۔ اس کے دل پر شوہر کا غم تھا۔ لیکن اب اسے ایک دوسرا شوہر مل گیا ہے،

جاں نثار!

وفا دار!

اس کے دل کے گھاؤ ایک ایک کر کے بھر گئے۔ اور میرے دل کے گھاؤ۔ اور زیادہ پھیل رہے ہیں۔ ارے کیا میں دلجیت سے جلتی ہوں؟ اس کی کامیابی میرے لئے تکلیف کا سبب ہے؟

نہیں؟

ایسا نہیں ہو سکتا؟

دلجیت کی خوشی میری خوشی ہے، وہ میری بڑی پیاری بہن ہے، اس نے میرے آنسو پونچھے ہیں، اس نے میرے دل کے زخموں پر پھاہا رکھا ہے، وہ میرے ساتھ بیٹھ کر پھروں اور گھنٹوں روئی ہے، وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر آئی ہے،

کیا میں اس سے جلوں گی؟

نہیں!

ہرگز نہیں!

ایسا کبھی نہیں ہو سکتا!

لیکن میرا اس کے ساتھ رہنا، اس گھر میں بیکار ہے۔ اسے کوئی فائدہ نہیں اور مجھے نقصان ہی نقصان ہے، یہاں میرا جی نہیں لگتا۔

مجھے میرا انور یاد آتا ہے!

مجھے میرا سہیل یاد آتا ہے!

لیکن انور خدا کو پیارا ہو گیا،

اور سہیل؟

اس کی لاش بھی چیل کوّے کھا چکے ہوں گے؟

میں بدقسمت ہوں، مجھے خوش قسمت کے ساتھ نہیں رہنا چاہئیے۔ میں دلجیت کے ساتھ نہیں رہ سکتی!

پھر میں کیا کروں؟

کیا یہاں سے چلی جاؤں؟

ہاں!

مجھے یہی کرنا چاہئیے، مجھے اس گھر سے نکل جانا چاہئیے میں راستہ نہیں جانتی۔ میرے سامنے کوئی منزل نہیں ہے۔ پھر بھی مجھے جو بھی راستہ مل جائے، اسے پکڑ لینا چاہئیے، جس منزل تک بھی پہونچ جاؤں اس کو اپنی منزل سمجھ لینا چاہئیے ٹھیک ہے مجھے یہی کرنا چاہئیے۔

یہ سوچ کر وہ چپکے سے دبے پاؤں اٹھی۔ کہ باہر نکلے اور چلی جائے۔

اتنے میں مہندر رونے لگا، اور عین اس وقت جب وہ چادر اوڑھ کر باہر نکلنے والی تھی، مہندر کے شور و غل سے دلجیت کی آنکھ کھل گئی۔ عفت نے جیسے ہی محسوس کیا کہ دلجیت جاگا چاہتی ہے

اس نے اپنی چادر پلنگ پر ڈال دی اور ہندہ کو گود میں لے کر ٹہلنے لگی، دلجیت اٹھ بیٹھی۔

دلجیت نے بڑی محبت سے کہا،

"بہن تم سو جاؤ، یہ بڑا شیطان ہو گیا ہے۔ لاؤ میں اسے سنبھالوں!"

عفت نہیں نہیں کہتی رہی، لیکن دلجیت نے ہندہ کو گود میں لے کر عفت سے باتیں شروع کر دیں۔

دنیا جہان کی باتیں!

یہاں تک کہ صبح ہو گئی!

---

(۱۸)

کشمیر کا مجاہد

اور صبح ہوتے ہی گھر میں ایک عجیب ہنگامہ شروع ہو گیا اللہ دتا، مولا، بڑی بی، سب ہی مصروف نظر آ رہے تھے، سب کی ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں، معلوم ہوتا تھا۔ کوئی مہمان آیا ہے، کوئی ایک نہیں کئی!

عفت نے دلجیت سے کہا۔

تھا۔

"پھر وہیں رہنے دیا ہوتا۔ کیوں لے آئے؟ یہاں وہ بات کہاں؟"

"ٹھیک کہتے ہو بابا، لیکن وہاں یہ بہت گھبراتا تھا، پٹیاں نوچ ڈالتا تھا۔ زخم کھرچ ڈالتا تھا۔ اول فول بکنے لگتا تھا۔ ڈاکٹروں نے کہا، ہوا پانی بدلنا ضروری ہے!"

"اچھا کیا، لے آئے۔ ذرا دوسرے گاؤں تک جاتا ہوں وہاں ایک ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں۔ جو پہلے لاہور کے سول سرجن تھے، اب پنشن پاتے ہیں۔ انھیں لاکر دکھاؤں گا۔"

"بڑا ثواب ہوگا۔ خدا کرے یہ اچھا ہو جائے، یہ اسلام کا سپاہی ہے۔ اس سے ہم سب کی بہت سی امیدیں وابستہ ہیں سردار ابراہیم نے اسے جب ہسپتال میں دیکھا، تو اس کی پیشانی چوم لی تھی، وہ اس کے لئے بہت فکرمند تھے۔"

"اچھا تو آرام کریں جاتا ہوں!"

اللہ دتا گاؤں چلے گئے، ان کے جانے کے بعد مولا آیا،

"رحمت کیا حال ہے؟"

"اچھا ہوں بھائی ——— میں تو چند دنوں میں لوٹ پوٹ کر اچھا ہو جاؤں گا، فکر اس سپاہی کی ہے!"

"بابا سول سرجن کو بلانے گئے ہیں، خدا جو کچھ کرے گا اچھا

کرے گا۔ انھوں نے مجھے اس جوان کا حال بتایا تھا میرے دل میں بھی اسکی محبت پیدا ہو گئی ہے، اسی لئے دیکھنے چلا آیا!

——— ابھی تک یہ ہوش میں نہیں آیا؟"

"نہیں ——— اس سے تو زیادہ ڈر لگتا ہے کہیں خدانخواستہ ———"

"نہیں نہیں، فکر نہ کرو، خدا ان لوگوں کی ضرور مدد کرتا ہے جو اس کے نام کو اونچا کرنے کے لئے اپنی جان ہتھیلی پر لئے رہتے ہیں!"

جب تک اللہ دتا، سول سرجن کو لے کر نہیں آگئے، مولا وہیں بیٹھا رحمت سے تسکین اور دلدہی کی باتیں کرتا رہا۔ کوئی دو گھنٹہ کے بعد ڈاکٹر صاحب اپنی موٹر پر تشریف لائے۔ ان کا نام عارف تھا بڑے خدا ترس، اور نیک مسلمان تھے، جیسے ہی انھوں نے اللہ دتا سے مریض کا حال سنا، فوراً چلنے پر تیار ہو گئے۔

ڈاکٹر صاحب نے بڑی دیر تک مریض کا معائنہ کیا۔ پھر رحمت کو دیکھا۔

اللہ دتا نے پوچھا،

"ڈاکٹر صاحب کیا راتے ہے؟"

وہ بولے،

"رحمت تو دو دن میں اچھا ہو جائے گا۔ لیکن اس مریض کا

معاملہ ذرا خطرناک ہے!"

"خطرناک؟ ڈاکٹر صاحب یہ نہ کہو"

مگر میں کیا کر سکتا ہوں؟ —— ابھی آپریشن کرنے کی ضرورت ہے، ایک گولی اس کے سینے میں لگی ہے، اور اندر تک چلی گئی ہے۔ یہاں ایکسرے تو ہو نہیں سکتا، لیکن میرا خیال ہے، وہ بہت زیادہ دور تک نہیں گئی ہے، آپریشن سے ہی نکالی جا سکتی ہے خدا کا شکر ہے کہ دل کی طرف نہیں گئی، یہی حال سر کا ہے، ایک چھوٹا سا آپریشن سر کا بھی کرنا پڑے گا!"

"تو اللہ کا نام لے کے آپریشن کر ڈالئے!"

"ہاں —— لیکن مشکل یہ ہے کہ مریض کا خون کافی نکل چکا ہے، اسکی کمزوری بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے، کاش اس کے بدن میں تازہ خون پہونچایا جا سکتا!"

"تازہ خون؟"

"ہاں! بغیر اس کے اس کا بچنا مشکل ہے!"

مولا سامنے آیا۔

"ڈاکٹر صاحب میں اپنا خون دیتا ہوں، جتنا چاہئے لے لیجئے!"

وہ مسکرا دئیے

"جتنا چاہوں؟"

مولا نے جواب دیا،

"جی —— آپ میرا سب خون بھی لے لیں تو مجھے اعتراض نہ ہوگا"

"یہ کیوں بھئی!"

بڑی عقیدت کے لہجہ میں مولا نے کہا۔

"میں ایک معمولی آدمی ہوں اور یہ مجاہد ہے۔ میری زندگی کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ اس کی قوم کو ضرورت ہے!"

ڈاکٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شاباش، تم سے مجھے یہی امید تھی، تمہاری درخواست منظور کی جاتی ہے۔ ہم تمہارا خون لیں گے، لیکن اطمینان رکھو بہت زیادہ نہیں تھوڑا سا!"

پھر ڈاکٹر عارف نے اللہ دتا سے پوچھا،

"آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں!"

بوڑھے کے دل پر چھریاں چل رہی تھیں۔ لیکن اس نے مردانہ استقلال سے جواب دیا۔

"نہیں ڈاکٹر صاحب —— مولا سچ کہتا ہے ایک مجاہد سے زیادہ اس کی جان قیمتی نہیں ہو سکتی؟"

ڈاکٹر عارف مولا کا خون نکالنے اور مریض کے جسم میں پہونچانے کے لئے کیل کانٹے سے لیس ہونے لگے۔

اتنے میں خون لینے کی خبر اندر پہونچی، اور سارے گھر میں کھلبلی مچ

گئی۔ دلجیت کے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ بڑی بی کی آنکھوں سے آنسوؤں کا آبشار گرنے لگا۔ لیکن معاملہ ایسا تھا۔ کہ دونوں میں سے کوئی نہیں بول سکا۔ دونوں کے دلوں میں وسوسے اور خدشے پیدا ہو رہے تھے۔ لیکن کسی میں ہمت نہیں تھی۔ کہ اس اشارے سے مولا کو باز رکھے اور اگر اس طرح کی کوشش کی بھی جاتی تو مولا جیسا من چلا۔ نوجوان کب ماننے والا تھا۔

اتنے میں سر جھکائے ہوئے مولا اندر داخل ہوا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے، چہرہ اترا ہوا تھا۔ بہت سست اور غمگین معلوم ہوتا تھا۔

ماں نے پوچھا

"میرے بچے، تو اتنا سست کیوں ہے؟ کیا بہت زیادہ خون نکل گیا؟"

وہ بولا۔

"نہیں ماں ——— ڈاکٹر نے مجھے فیل کر دیا!"

ماں نے پوچھا؟

"فیل کیسے کر دیا؟"

وہ بولا۔

"ڈاکٹر نے تھوڑا سا خون مریض کا لیا۔ تھوڑا سا میرا، پھر کہا۔ تمہارا خون اس کے خون سے میل نہیں کھاتا۔"

ماں کا دل خوش ہو گیا، لیکن یہ موقع خوشی کو ظاہر کرنے کا نہیں تھا۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"خدا کی مرضی میں کسی کو کیا دخل ہے بیٹا؟"

وہ بولا،

"لیکن وہ مر جائے گا۔ اس نے کشمیر کے مورچے پر بہادری کے جوہر دکھائے ہیں۔ وہ نہیں مر سکتا، اسے نہیں مرنا چاہیئے۔ میں اسے ہرگز نہیں مرنے دوں گا۔"

پھر مولا کا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ اس نے بڑی پست آواز میں آہستہ آہستہ کہا

"وقت گذرا جا رہا ہے، اس کی کمزوری بڑھتی جا رہی ہے موت اس کے قریب پہنچتی جا رہی ہے، یا اللہ میں کیا کروں؟"

یہ کہتے کہتے مولا کا گریہ گلوگیر ہو گیا۔ یکایک عفت سامنے آئی اس نے کہا،

"میں تیار ہوں اپنا خون دینے کے لئے!"

مولا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"تم؟ ——— نہیں تم نہیں، تم خود کمزور ہو،"

"میں تیار ہوں، ڈاکٹر صاحب سے کہئے۔ میرے خون کا بھی امتحان کر لیں!"

مولا باہر جانے کے لئے اٹھا، اس نے ایک عقیدت سے بھری ہوئی نظر عفت پر ڈالی، اور کہا،

"جاتا ہوں، کہتا ہوں!"

مولا چلا گیا، اس کے جانے کے بعد دلجیت نے کہا،

"لیکن تم تو پہلے ہی سے بیمار ہو، خود تمہارا کیا حال ہوگا یہ بھی سوچا؟"

عفت بولی،

"یہ سوچنے کا موقع نہیں ہے ——— آتا جاتی ہوں کہ میری زندگی، رائگاں جا چکی، اب اگر وہ ایک مرد مجاہد کے کام آسکے تو میں سمجھوں گی، کہ سوارت لگی!"

مولا آگیا، اس نے کہا،

"ڈاکٹر صاحب آئے ہیں!"

ڈاکٹر صاحب آئے، انھوں نے ایک نظر عفت پر ڈالی اور حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا،

"تم اپنا خون دینے پر رضامند ہو؟"

وہ بولی،

"جی! ——— اگر کام آسکے!"

"لیکن تم تو خود بہت کمزور نظر آرہی ہو، میں تمہارا خون نہیں لوں گا!"

عفت نے ذرا بلند آواز سے کہا،

"ایسا نہ کہئے، ڈاکٹر صاحب میں بڑی سخت جان ہوں، موت میرے قریب بھی نہیں پھٹکے گی، ڈاکٹر صاحب ———
آپ اپنا کام کیجئے!"

اللہ دتا نے بھی سمجھایا،

"بیٹی مریض کو خدا پر چھوڑ دے"

عفت نے کہا،

"بابا یہ آپ کہہ رہے ہیں؟"

اللہ دتا نے ندامت سے نظر جھکالی، اور ڈاکٹر مارٹ سے کہا،

"یہ نہیں مانے گی ڈاکٹر صاحب، اس کا دل رکھ لیجئے، اس کے خون کا امتحان تو کر لیجئے!"

طبیعت پر جبر کر کے، ڈاکٹر صاحب بھی تیار ہو گئے، انھوں نے عفت کا ذرا سا خون نکالا۔ اور معائنہ کرنے کے بعد کہا،

"اس لڑکی کا خون، مریض کے لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے!"

عفت خوشی سے بے قابو ہو کر بولی،

"پھر انتظار کاہے کا ہے ڈاکٹر صاحب میں دل و جان سے حاضر ہوں!"

ڈاکٹر نے عفت کو پلنگ پر لٹا کر اس کا خون ضرورت کے مطابق لیا۔ اور وہ مریض کے جسم میں پہونچا دیا۔ انھوں نے اللہ دتا سے

کہا۔

"مجھے امید ہے اب مریض بچ جائے گا!"

ڈاکٹر صاحب نے واپس جانے کا خیال ترک کر دیا۔ اور فیصلہ کر لیا کہ وہ ایک ہفتہ تک یہیں رہیں گے۔ مریض جب تک خطرہ سے باہر نہ ہو جائے۔ وہ جانے کا خیال بھی دل میں نہیں لائیں گے۔

خون نکل جانے سے رحمت نے کافی کمزوری محسوس کی، لیکن اس کے اس ایثار نے مریض کی جان بچالی۔ جس کی سانسیں گنی جا رہی تھیں اس نے پہلے جنبش کی، پھر آنکھیں کھول دیں، اس نے آہستہ سے دریافت کیا،

"میں کہاں ہوں؟"

ڈاکٹر نے مشفقانہ لہجہ میں کہا۔

"تم بہت اچھی جگہ ہو، ذرا بھی فکر نہ کرو، بہت جلد اچھے ہو جاؤ گے!"

مریض نے خشمناک لہجہ میں کہا،

"لیکن آپ سے کس نے کہا تھا کہ میں اچھا ہونا چاہتا ہوں؟ یہ خواہ مخواہ کی ذمہ داری آپ اپنے سر کیوں لے رہے ہیں؟"

ڈاکٹر صاحب اس عجیب و غریب اعتراض پر سٹ پٹائے انہیں کچھ جواب دیتے نہیں بن پڑا، رحمت نے مریض سے کہا۔

"ساتھی! ——— میرے ساتھی، میرے دوست، میرے بھائی"

اس نے کمزور آواز میں کہا،

"ہاں رحمت!"

رحمت نے کہا،

"دشمن سے ڈر گئے؟ ——— ایسی باتیں نہ کرو تمہیں تندرست ہونا پڑے گا۔ کشمیر کا محاذ، تم جیسے بہادر سپاہی کے بغیر سُونا ہے، تمہیں وہاں چلنا پڑے گا۔ رحمت تمہارے ساتھ ہو گا۔ اگر مرنا ہے تو میدان جنگ میں مرو، بستر پر ایڑیاں رگڑ کر مرنا، مردِ مسلمان کا شیوہ نہیں!"

مریض سنبھل گیا، اس نے ڈاکٹر سے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب، میں اچھا ہونا چاہتا ہوں، مجھے اچھا کر دیجئے بہت جلد!"

بوڑھا ڈاکٹر مسکرایا،

"تم بہت جلد اچھے ہو جاؤ گے، لیکن شرط یہ ہے کہ آرام کرو بات بالکل نہ کرو، چپ چاپ لیٹے رہو!"

پھر ڈاکٹر نے اسے خواب آور دوا دی، وہ میٹھی نیند سو گیا!

اس کے سو جانے کے بعد، ڈاکٹر نے رحمت سے کہا۔

"عجیب آدمی ہے یہ!"

رحمت نے جواب دیا،

"ہاں بہت عجیب ——— کشمیر کے محاذ پر ہم نے اس کی بہادری کے کارنامے دیکھے ہیں۔ وہ یہ ماننے پر مجبور ہے کہ واقعی یہ بہت عجیب و غریب آدمی ہے!"

ڈاکٹر نے پوچھا،

"پھر یہ ایسی بہکی بہکی باتیں کیوں کرتا ہے"

رحمت بولا

"مریض جو ٹھہرا ڈاکٹر صاحب!"

وہ مسکرا کر خاموش ہو گئے،

عفت دو تین روز میں بھلی چنگی ہو گئی، مریض کی حالت بھی پہلے کے مقابلہ میں بہت سُدھر گئی، ڈاکٹر صاحب اسے روز طاقت کے انجکشن دیتے رہے، کوئی پانچ روز کے بعد انھوں نے فیصلہ کیا کہ مریض اب خطرہ سے باہر ہے، لیکن آپریشن ضروری ہے!

جب مریض اس قابل ہو گیا کہ آپریشن کو برداشت کر سکے تو وہ اس کام سے بھی سُبکدوش ہو گئے، آپریشن بہت کامیاب رہا۔

ایک روز ڈاکٹر صاحب کے ہاں سے آدمی آیا، آدمی سے گفتگو کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے محسوس کیا انھیں کم از کم ایک روز کے لئے ضرور اپنے گاؤں چلے جانا چاہیے، اس کے بعد پھر وہ اطمینان سے چار پانچ روز یہاں رہ سکیں گے۔

چلتے وقت اللہ دتا، اور مولا نے ان کا بہت بہت شکریہ ادا کیا
ڈاکٹر صاحب نے کہا،

"میں انشاء اللہ، کل صبح ضرور واپس آجاؤں گا، مریض کی حالت بہت اطمینان بخش ہے، لیکن اس کی تیمارداری میں ذرا بھی غفلت نہیں ہونی چاہئے، دوا بالکل وقت سے ملے، اور پرہیز کا پورا پورا خیال رکھا جائے، اگر دوا اور پرہیز میں ذرا بھی بے احتیاطی ہوئی، تو سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا!"

اللہ دتا نے کہا،

"اطمینان رکھئے، آپ کی ہدایات کا پورا خیال رکھا جائے گا!"

ڈاکٹر کے جانے کے بعد، اللہ دتا نے مولا سے کہا۔

"تم سن چکے ہو ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ کہا ہے؟ یہ ایک دن بہت چوکسی میں گذارنا ہے!"

مولا نے جواب دیا،

"اطمینان رکھئے، کوئی کوتاہی نہیں ہوگی!"

اللہ دتا، کھیت کی طرف چلا گیا، اور مولا مریض کے پاس بیٹھ گیا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد، اللہ دتا حسب معمول سو گیا، کوئی دس بجے کے قریب مولا، دلجیت کی کوٹھری میں آیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

"دیکھنا کیا مجھے بخار ہے!"

دلجیت نے ہاتھ دیکھ کر کہا،

"بخار تو نہیں حرارت ہے، کئی دن سے رات رات بھر جاگتے ہو، کہیں تم خود نہ بیمار پڑ جاؤ، کچھ اپنا خیال بھی تو رکھا کرو!"

اس نے کہا۔

"پھر مریض کا کیا ہوگا؟ آج تو ڈاکٹر صاحب بھی نہیں ہیں۔ اور میرا سارا بدن ٹوٹ رہا ہے، واقعی مجھ سے نہیں بیٹھا جاتا!"

دلجیت بولی،

"تم سو جاؤ جا کر، میں اور عفت مریض کی دیکھ بھال کر لیں گے!"

مولا نے کہا،

"لیکن دیکھو، مریض کی دیکھ بھال میں کوئی فرق نہ ہو"

"نہیں ہوگا تم جاؤ!"

اور مولا، ایک شرابی کی طرح نیند کے نشہ میں لڑکھڑاتا ہوا اپنی کوٹھڑی میں چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد دلجیت مریض کی کوٹھڑی میں جانے کے لئے اٹھی، لیکن ہمدرد جاگ پڑا۔ وہ رات کو جب سوتے سوتے جاگتا تھا تو گھنٹوں پھر سونے کا نام نہیں لیتا تھا۔ دلجیت نے اسے لاکھ لوریاں دیں گود میں لے کر تھپکی، کہانی سنائی، مگر وہ بچے میں اتنا منہمک تھا کہ اس نے ایک نہ سنی، برابر روتا رہا،

دلجیت نے بڑی بے بسی سے عفت کی طرف دیکھا، اور کہا

"دیکھتی ہو اس شیطان کو؟ اسے بھی اسی وقت جاگ کر ادھم مچانا تھا!"

عفت نے کہا۔

"بچہ ہے، بچے ایسے ہی تماشے کرتے ہیں، تم بیٹھو، میں چلی جاتی ہوں مریض کے پاس!"

دلجیت ہمدرد کو لے کر پھر لیٹ گئی، اور عفت، مریض کی کوٹھڑی کی طرف روانہ ہو گئی،

کوٹھڑی میں اندھیرا چھایا ہوا تھا، طاق میں ایک ننھا سا دیا ٹمٹما رہا تھا۔ مریض چارپائی پر چادر اوڑھے چپ چاپ پڑا تھا، عفت گئی، اور چارپائی کے پاس رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی، سامنے ایک چھوٹی سی میز تھی اس پر گلاس، چمچہ گھڑی اور دوا کی ایک شیشی رکھی ہوئی تھی،

عفت چپ چاپ کرسی پر بیٹھ گئی، کمرے میں ایک دہشتناک خاموشی مسلط تھی، اندھیرے میں اس کا جی بھی گھبرا رہا تھا۔ اور وہ ڈر بھی رہی تھی۔ لیکن ہمت سے کام لیتے ہوئے وہ چپ چاپ کرسی پر بیٹھی رہی۔

سارے گھر پر موت کی سی خاموشی طاری تھی۔ سب سو رہے تھے، اس اندھیری کوٹھڑی میں وہ تھی، یا مریض،

مریض کبھی کبھی کراہتا تھا، پھر خاموش ہو جاتا تھا، اس کراہ میں بڑا درد تھا۔ عفت کا دل کراہ کی آواز سنکر لرزنے لگتا تھا۔ وہ چاہتی

تھی، مریض کے درد کا درماں بن جائے۔ لیکن یہ اس کے بس میں کہاں تھا؟

گھڑی ٹک ٹک کر رہی تھی، یہی ایک آواز تھی جو سارے گھر میں اسے سنائی دے رہی تھی۔

بارہ بجے!

عفت نے اٹھ کر چمچ میں دوا ڈالی، اور لیٹے ہوئے مریض کے منہ میں انڈیل دی، اس نے آہ کر کے کروٹ بدل لی۔

اب پھر عفت خاموش اور تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔

گھڑی نے دو بجائے!"

اور عفت نے پھر وہی بارہ بجے رات والا عمل دہرایا۔

پھر وہی سناٹا!

وہی ہو کا عالم!

وحشتناک خاموشی!

سوگوار تاریکی!

گھڑی ٹک ٹک کر رہی تھی، آخر اس نے چار بجائے۔

عفت پھر خاموشی سے اٹھی، اور آہستہ سے اس نے دوا سوتے ہوئے مریض کے منہ میں انڈیل دی۔

پھر وہی ہیبتناک سناٹا!

اور وہی جان لیوا خاموشی!

عفت خاموش بیٹھی تھی، لیکن اس کا دماغ خاموش نہیں تھا وہ تیزی سے اپنا کام کر رہا تھا۔ آج بہت دنوں کے بعد پھر اسے موقع ملا تھا کہ وہ اطمینان، اور یکسوئی سے اپنی حالت پر غور کرے کوئی مداخلت کرنے والا نہیں تھا!

اور وہ سوچ رہی تھی، نہ جانے کیا کیا؟ وہ بار بار اپنے اوپر ملامت کر رہی تھی کہ اس روز رات کی تاریکی میں وہ جاتے جاتے کیوں رک گئی؟ کیوں نہیں چلی گئی؟

اب پھر ماضی کی یاد اس کے دل میں چٹکیاں لے رہی تھی۔

اب پھر مستقبل کا خیال اس کے اطمینان کو درہم برہم کئے دے رہا تھا۔

وہ کیا کرے؟

کہاں جائے؟

کس طرح زندگی بسر کرے؟

یہ خیالات پھر تیزی سے اس کے دماغ میں آنے لگے۔ لیکن ان سوالات کا کوئی جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ اس کی زندگی ویران ہو چکی تھی۔ اور اب اس کے آباد ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اس کا سب کچھ لوٹا جا چکا تھا۔ اور لٹی ہوئی پونجی اسے واپس نہیں مل سکتی تھی! اس کی زندگی ایک کانٹا بن کر رہ گئی تھی، خشک کانٹا، جس میں نہ کونپل ہوتی ہے نہ پتیاں، نہ ڈال، نہ شاخ، نہ پھول، نہ رنگ

اس زندگی کو اب وہ کسی طرح بھی سنوار نہیں سکتی تھی،
پھر کیا یہ زندگی، اس طرح گذر جائے گی؟
وہ بار بار اپنے دل سے پوچھتی تھی،
میں زندہ کیوں ہوں؟
مجھے زندہ رہنے کا کیا حق ہے؟
اور دل جواب دیتا تھا۔
تو بالکل بے کار زندہ ہے۔ تجھے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تیرا بچہ قیمہ قیمہ کر کے ہلاک کر دیا گیا۔ تیرا شوہر مار ڈالا گیا۔ تیرے عزیز، موت کے گھاٹ اتر گئے، اور ان جانے والوں کو تو پھر اگر پا سکتی ہے تو جنت میں!
جنت میں؟
میرے جو لوگ اسلام پر قربان ہو گئے، ان کے جنتی ہونے میں تو ذرا بھی شبہ نہیں، لیکن کیا جنت مجھے قبول کرے گی؟ مجھے تو شبہ ہے کہ شاید جہنم بھی مجھے قبول کرنے سے انکار کر دے، میرا وجود ایک مجسم گناہ ہے۔ جس میں پاکی، اور قدر و سعادت کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ مجھے خود اپنے سے گھن آتی ہے، تو پھر جنت کی کھڑکیاں میرے لئے کیسے کھل سکتی ہیں؟ وہ کھلیں یا نہ کھلیں، میں اب اس دنیا میں نہیں رہ سکتی۔ مجھے جہنم میں جانا منظور ہے، وہ لوگ خوش قسمت تھے جو جنت میں پہونچ گئے۔ میں بدقسمت تھی، میرے حصہ میں جہنم ہی آ سکتی

تھی،
بڑی دیر تک عفت یہی باتیں سوچتی رہی، ان باتوں کے علاوہ بھی بہت کچھ نہ جانے کیا کیا؟ _____
اور گھڑی کی کوٹ کھٹ پھر تیز ہو گئی،
اب صبح کے چھ بجے تھے!
پو پھٹ چکی تھی، سویرا ہو رہا تھا، چڑیاں چہچہا چہچہا کر آج کے مڑ گشت کا پروگرام اپنے گھونسلوں میں بیٹھی بنا رہی تھیں۔ موذن مسجد میں پہونچ چکا تھا۔ اور نماز کی طرف اذان دے کر بلاوا دے رہا تھا۔ اندھیرا ختم ہو چکا تھا۔ روشنی نمودار ہو چکی تھی۔
اور عفت بدستور اپنی کرسی پر گم سم بیٹھی ہوئی تھی،
دفعتہً اسے خیال آیا، چھ بج گئے، اور مریض کو آخری خوراک دوا کی ابھی پلانی ہے!
وہ جلدی سے کھڑبھڑا کر اٹھی، چمچہ میں اس نے دوا ڈالی، اور چمچہ مریض کے منہ میں انڈیل دیا۔ ساتھ ہی ساتھ اس کی آنکھوں سے گرم گرم آنسوؤں کے دو قطرے، مریض کے ٹھنڈے گالوں پر گرے وہ چونک پڑا، اس نے غور سے عفت کو، اور عفت نے غور سے مریض کو دیکھا، اور وہ چیخ پڑی،
"میرے سرتاج!"
اور مریض نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میری عفت، میری زندگی، میں سہیل ہوں ——————
میں نے مرنے کی بہت کوشش کی، میں نے تلواریں کھائیں گولیاں
اپنے سینہ پر روکیں۔ موت کو بار بار بلایا، پھر بھی میں زندہ رہا ——
تمہارے لئے!"

عفت باقاعدہ رونے لگی،

سہیل نے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھالیا۔ اور کہا۔

"اگر مجھے زندہ رکھنا چاہتی ہو، تو رونے کے بجائے مسکراؤ میں
تمہارے آنسو نہیں دیکھ سکتا، میرا دل پھٹ جائے گا!"

عفت نے آنسو پونچھ لئے۔ اور رونا بند کر کے شوہر کو خوش
کرنے کے لئے مسکرا دی!

اتنے میں، مولا، اور دلجیت آئے، انھوں نے، اس بے تکلفی
کے ساتھ عفت کو مریض کے پاس بیٹھا دیکھکر حیرت سے دانتوں تلے انگلی
داب لی۔ دلجیت نے پکارا،

"عفت!"

وہ مسکراتی ہوئی اٹھی،

"کیا ہے دلجیت بہن!"

"یہ کیا ہو رہا ہے!"

وہ مسکرائی، اور اس نے کہا

جو تم دیکھ رہی ہو —————— کچھ اعتراض ہے تمہیں

مولا اب تک خاموش تھا، اور حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

عفت نے دلجیت سے کہا۔

"پہچانو یہ کون ہیں؟"

دلجیت جانے کیا سوچ کر مسکرا پڑی۔

"سچ؟ ——————"

عفت مسکرا دی،

پھر دلجیت نے کہا۔

"یہ وہ ہیں؟ وہی؟ تمہارے وہ؟"

عفت نے شرماتے ہوئے جواب دیا!

"ہاں! وہی!"

اور نسیم سحری کی طرح بل کھاتی ہوئی کوٹھری سے باہر نکل گئی!

---

(۱۹)
اشک اور تبسم

عفت کے جانے کے بعد، دلجیت، اور مولا وہیل کے پاس بیٹھ گئے، دلجیت بہت خوش تھی، اتنی خوش کہ بیان نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اب تک وہ سہیل کی تیمارداری صرف اس لئے کر رہی تھی کہ وہ رحمت کے ساتھ آیا تھا۔ اور اللہ دتا کا مہمان تھا۔ لیکن دفعتہً اس کی نظر میں سہیل کی حیثیت بدل گئی۔ اب وہ اسے بھائی کی طرح چاہنے لگی تھی اس نے بڑے چاؤ سے کہا،

"بھیّا، تم کیا ملے، ہمیں نئی زندگی مل گئی ہے
میری عفت کو تم نے جلا لیا۔ لیکن سچ کہتی ہوں، ایسی اونچی عورت میری نظر سے نہیں گزری!"

اور پھر دلجیت نے، عفت کی ساری کہانی سہیل کو سنا ڈالی،

ایک ایک بات،

ہر ہر واقعہ،

آہوں کی کہانی!

آنسوؤں کی داستان!

اور سہیل کا یہ عالم تھا کہ کبھی اس کا چہرہ وفورِ غضب سے سرخ ہو جاتا، کبھی وفورِ تاثر سے اس کی آنکھیں ڈبڈبا آتیں، اور کبھی وفورِ غیرت سے اس کا چہرہ تمتما جاتا۔

یہ ساری کہانی سناتے سناتے وہ رونے لگی۔ اس نے سہیل سے کہا۔

"بھیّا، تمہیں یہ سنکر حیرت ہوگی کہ عفت بہن پرستم کے پہاڑ توڑنے والا میرا بھائی تھا، لیکن اس نے میرے اوپر بھی کم ستم نہیں کیا۔ اس نے مجھے گھر سے نکال دیا، وہ میرے لئے روتا تھا، آنسو بہاتا تھا۔ لیکن جب میں پہونچی، لٹی ہوئی، پٹی ہوئی، تو وہ مجھے اپنے گھر میں پناہ نہ دے سکا۔ میں یہاں واپس آگئی، اور اپنے ساتھ اپنی بہن

عفت کو مجھ سے آئی وہ میری بہن ہے کیا تم میرے بھائی بن سکو گے؟ مجھے اپنی بہن سمجھ سکو گے؟"

سہیل نے کہا،

"تم میری بہن ہو، میں مولا کو مبارک باد دیتا ہوں، کہ اسے تم جیسی عورت رفیقۂ حیات کی صورت میں مل رہی ہے، تمہارے بارے میں رحمت مجھے سب کچھ بتا چکا ہے، اور میں خود تمہیں بھی مبارک باد دیتا ہوں کہ مولا کو تم نے اپنا جیون ساتھی بنا لیا!"

دلجیت کہنے لگی،

"اچھا یہ باتیں چھوڑیے، ذرا اپنی کہانی بھی تو سنائیے!"

وہ بولا،

"میری کہانی کیا ہے ——————— صورت ہے ہیں عالم پرسں!"

مولا نے کہا،

"ہم سب تو سمجھ بیٹھے تھے کہ آپ کا خدا نخواستہ انتقال ہو گیا"

دلجیت بولی،

"عفت بھی یہی سمجھ رہی تھی!"

سہیل نے کہا۔

"خود میرا خیال بھی یہی تھا!"

سب لوگ ہنسنے لگے،

دلجیت نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی بتائیے تو کیا ہوا؟"

سہیل نے جواب دیا،

"میری کہانی بڑی مختصر ہے، جب ہم پر حملہ ہوا، تو میں نے یقین کر لیا اب بچ نہیں سکتے، جب بچ نہیں سکتے، تو بہادری سے جان کیوں نہ دی جائے، یہی سوچ کر، میں لڑنے مرنے پر تیار ہو گیا۔ لیکن میں ایک! اور مقابل میں ہزاروں آدمی! کرپانوں، نیزوں، اور بلموں پر رکھ لیا گیا۔ نہ جانے کتنے زخم آئے، میں تیورا کر گرا، اور بے ہوش ہو گیا وہ یہ سمجھے، کہ مر گیا۔ وہ لاشوں کے ساتھ مجھے بھی چھوڑ کر چلے گئے!"

مولا نے کہا،

"شکر ہے، اس غلط فہمی نے تمہاری جان بچائی، ورنہ ختم ہونے میں رہ کیا گیا تھا!"

دلجیت بولی،

"اور کیا! انھوں نے اپنی دانست میں مار ہی ڈالا تھا"

سہیل نے اپنا سلسلہ پھر شروع کیا،

"رات کو، کوئی دو بجے کے قریب میری آنکھ کھلی، میں نے اپنے ارد گرد کے حالات کا جائزہ لیا، سینکڑوں مردوں، عورتوں اور بچوں کی لاشیں بکھری ہوئی پڑی تھیں، ظالموں نے ان لاشوں کو بھی معاف نہیں کیا ان پر بھی ستم توڑے!"

مولا نے پوچھا،

"لاشوں کے ساتھ کیا کیا؟"

سہیل بولا،

"کسی کی گردن کاٹ ڈالی، کسی کے منہ میں جوتا ٹھونس دیا کسی کی گردن میں کٹے ہوئے اعضا کا ہار پہنا دیا، اور اس سے بھی زیادہ شرمناک سلوک عورتوں کے ساتھ بھی انھوں نے کیا!"

دلجیت کے بدن میں جھرجھری آگئی، اس نے کہا،

"بھیا، میں نہ سن سکوں گی، نہ کہو!"

مولا نے دلجیت کو ٹوکا،

"سننے میں کیا حرج ہے، سن تو لو!"

سہیل نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا،

"میں بھی نہ کہہ سکوں گا ——— مولا، میری آنکھوں نے جو مناظر دیکھے، انھیں میں دوہرا سکتا ہوں، لیکن میری آنکھوں نے شریف، اور پاک باز عورتوں اور لڑکیوں کی لاشوں کے ساتھ بے شرمی و درندگی کے جو مناظر دیکھے انھیں کسی طرح بھی نہیں کہہ سکتا، جب کہنا چاہتا ہوں، میری زبان گنگ ہو جاتی ہے، میرا خون کھولنے لگتا ہے، میرا دماغ چکرانے لگتا ہے، میرا جی چاہتا ہے اسی وقت جاؤں اور جو ہندو یا سکھ مجھے ملے اسے قتل کر دوں، جو ہندو یا سکھ عورت مل جائے اسے بے آبرو کر دوں، اور اپنی مسلمان اور نا کردہ گناہ بہنوں کا بدلہ لوں لیکن

میں ایسا نہیں کر سکتا!"

دلجیت نے پوچھا،

"کیوں نہیں کر سکتے؟ مجبوری کیا ہے؟"

سہیل نے جواب دیا،

"میرا اسلام! ——— میرا اسلام مجھے روکتا ہے، وہ مجھے ایسا اندھا بدلہ لینے کی اجازت نہیں دیتا میں اگر چاہتا تو کشمیر کی وادی میں، عفت کا بدلہ ہندو اور سکھ عورتوں سے لے سکتا تھا۔ مجھے پورے مواقع حاصل تھے، لیکن میں ایسا نہ کر سکا۔ میں نے ان کی حفاظت کی، اور انھیں عزت آبرو کے ساتھ جہاں انھوں نے جانا چاہا پہونچا دیا!"

دلجیت کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے، اور وہ عقیدت اور عظمت کی نظر سے سہیل کو دیکھ رہی تھی، اور دل ہی دل میں سہیل اور دلیپ کا موازنہ کر رہی تھی!

وہ سوچ رہی تھی!

سہیل میرا کوئی نہیں، لیکن اس کے کارناموں نے میرے دل میں اس کی محبت اور عظمت پیدا کر دی ہے!

دلیپ میرا بھائی ہے!

سگا بھائی!

ہم دونوں نے ایک ماں کی گود میں آنکھ کھولی، اور پروان

چڑھے۔

لیکن میں دلیپ سے، اپنے بھائی سے نفرت کرتی ہوں؟

کیوں؟

اس لئے کہ اس نے دشمن کی عورتوں پر احسان نہ کیا۔ اور اپنی سگی بہن پر رحم نہ کیا

نہیں!

خون کا رشتہ کوئی چیز نہیں، اصل چیز انسانیت کا رشتہ ہے!

دلیپ انسانیت کے معیار پر پورا نہ اتر سکا۔ سہیل نے انسانیت کا مثالی کردار قائم کر دیا۔ میں اس سے جو بالکل غیر ہے، محبت کرتی ہوں، اور اس سے جو سگا بھائی ہے نفرت کرتی ہوں،

یہ سوچتے سوچتے اس نے سر اٹھایا، اور سہیل سے کہا،

"کیا آپ کے دل میں انتقام کی آگ نہیں بھڑکی؟"

وہ جوش کے عالم میں بولا

"بھڑکی ——— اب تک بھڑک رہی ہے، اور زندگی بھر بھڑکتی رہے گی!"

"لیکن ———؟"

"لیکن یہ کہ میں ان پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا، جنھوں نے میرا کچھ نہیں بگاڑا ہے، ان کی سرکوبی کرنا چاہتا ہوں جو اصل مجرم ہیں، جنھوں

نے اپنی درندگی سے انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا دیا ہے اور سچ پوچھو تو میرے کشمیر جانے کا راز یہی اور صرف یہی تھا!"

"انتقام؟ ——— انتقام لینا؟"

"ہاں! دلجیت یہی ———"

"لیکن یہ تو بتائیے آپ کشمیر پہونچے کس طرح؟"

دلجیت کے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے، سہیل نے کہا، موقع غنیمت سمجھ کر، میں کسی طرح گرتا پڑتا، کمیت کمیت چل پڑا۔ اگرچہ کافی زخمی تھا۔ خون کافی نکل گیا تھا۔ لیکن کوئی کاری زخم نہیں آیا تھا۔ رات بھر گھسٹ گھسٹ کر چلتا رہا۔ اور جب صبح ہوئی تو ایک کھیت کے بیچ میں چھپ رہا۔ سارا دن وہاں گزارا، اور رات کو پھر چل کھڑا ہوا؟"

دلجیت بولی۔

"بھوک تو بہت لگی ہوگی؟"

اس نے جواب دیا،

"ہاں لگی، اور خوب لگی!"

"پھر کیا کیا آپ نے؟"

وہ مسکراتا ہوا بولا،

"اپنی کھیتوں اور باغوں سے میں نے اپنی غذا حاصل کی، اور پیٹ بھرا، اور تیسرے دن سیالکوٹ پہونچا، وہاں ایک ہسپتال میں پہنچا

ہسپتال کا انچارج ڈاکٹر کوئی شریف آدمی تھا، اس نے مجھے داخل کر لیا۔ اور تن دہی سے میرا علاج کرنے لگا۔ اسے میں نے اپنی ساری سرگذشت سنا دی تھی، اور اس کی آنکھیں میری روداد سنتے سنتے بھر آئی تھیں، وہ میرا بڑا ہمدرد تھا۔ اور بہت جلد میرا دوست بن گیا۔

دلجیت کشمیر کے لئے بے قرار ہو رہی تھی، اس نے کہا۔

"کشمیر پہونچنے کا قصہ کہئے!"

سہیل نے کہا،

"پندرہ بیس دن کے بعد میں چنگا ہو کر ہسپتال سے باہر نکلا لیکن اب دنیا میری آنکھوں میں تاریک تھی۔ لوگ کسی جان لیوا بیماری سے اچھے ہوتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں، لیکن میں اپنی تندرستی پر شرمسار ہو رہا تھا۔ میرا دل کہہ رہا تھا۔ کاش میں اچھا نہ ہوتا، کاش میں مر جاتا"

دلجیت بے قرار ہو کر بولی،

"ہائے ہائے یہ کیوں؟"

سہیل نے کہا،

"ذرا سوچو تو، جس شخص کی جوان اور خوبصورت بیوی داغ مفارقت دے چکی ہو، جس کا اکلوتا، اور نہایت خوبصورت بچہ ہلاک کر ڈالا گیا ہو، جس کے دوسرے اعزا، اور اقربا اس کی آنکھوں کے سامنے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے ہوں، اسے اپنی

تندرستی پر کیا خوشی ہو سکتی تھی؟ زندگی کی اسنگ اس کا دامن کس طرح اپنی طرف کھینچ سکتی تھی"

دلجیت کے منہ سے ایک تاثر کے عالم میں نکلا۔

"سچ ہے! بھیا سچ کہتے ہو تم!"

اور وہ چپ ہو گئی، سہیل کے چہرے پر اس نے نظریں جما دیں اور ایک داستان گو کی طرح سہیل نے اپنی کہانی پھر شروع کی،

"ہسپتال سے باہر نکلنے کے بعد کئی مرتبہ خودکشی کا ارادہ کیا لیکن حرام موت مرتے ہوئے طبیعت ہچکچاتی تھی زندگی میں آدمی گناہ اس اطمینان پر کر لیتا ہے کہ جب چاہے گا۔ توبہ کر لے گا لیکن مرتے مرتے جو گناہ کیا جائے، اسکی تلافی کسی طرح بھی نہیں ہو سکتی۔

اس موڑ میں آگے بڑھتا جا رہا تھا، اور کچھ نہیں معلوم تھا میں کہاں جا رہا ہوں! کہاں قیام کروں گا کیا کروں گا! اتنے میں نے دیکھا کہ جہاد کشمیر کے سلسلہ میں نوجوانوں کی بھرتی ہو رہی ہے،

یہ منظر دیکھ کر فوراً میرے دل نے فیصلہ کر لیا کہ باعزت اور باعظمت موت کی اس سے بہتر کوئی صورت نہیں نکل سکتی میں فوراً آگے بڑھا، اور مجاہدین کے گروہ میں شریک

کر لیا گیا۔

دلجیت بڑے غور سے سہیل کی باتیں سن رہی تھی۔ جب وہ یہاں پہونچا تو وہ یہ سوال کئے بغیر نہ رہ سکی۔

"کشمیر میں آپ نے کیا کیا کیا؟"

سہیل نے کہا۔

"وہی جو ایک سپاہی کرتا ہے ——— میں کشمیر کے مورچہ پر غازی بننے کے شوق میں نہیں گیا تھا۔"

مولا نے پوچھا۔

"پھر کیا ارادہ تھا سرکار کا؟"

وہ بولا،

"شہادت کے جذبہ سے ——— زندگی میں میرے لئے کوئی کشش نہ تھی، میں مرنا چاہتا تھا، میں مرنے کے لئے گیا تھا، لیکن ——— لیکن جب آدمی موت سے بھاگتا ہے تو وہ اس کا پیچھا کرتی ہے، اور جب اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا ہے، تو وہ آنکھ ملاتے ہوئے شرماتی ہے، یہی مجھ پر گذری، میں موت کی تلاش میں ایسے ایسے مورچوں پر گیا جہاں سے زندہ سلامت بچ آنا ناممکن تھا، لیکن میری افسردہ اور ناکام زندگی نے اس ناممکن کو، ممکن کر دکھایا۔ میں جہاں بھی گیا وہاں سے زندہ واپس آیا۔ موت مجھے کہیں نہ ملی۔"

دلجیت نے بڑے اپنائیت کے لہجہ میں کہا۔

"اودھ بار بار موت کا ذکر کیوں کرتے ہیں، آپ؟"

سہیل نے ایک تبسم کیا، اور کہا،

"تاکہ وہ کہیں یہاں دبکی ہوئی موجود ہو تو آجائے۔"

دلجیت بولی،

"اب بھی آپ موت کا انتظار کر رہے ہیں؟ عفت کو پانے کے بعد بھی؟ کیا اب بھی زندگی آپ کا دامن اپنی طرف نہیں کھینچتی؟"

سہیل نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا،

"کھینچتی ہے، اب مرنا آسان نہیں رہا۔"

کچھ دیر چپ رہ کر وہ بولا،

"اب میں مرنا نہیں چاہتا، اب میری زندگی مجھے واپس مل چکی ہے، اگرچہ اس میں داغ لگ چکا ہے۔"

مولا نے تیور سے چڑھا کر کہا،

"داغ؟ ——— داغ کیسا؟"

دلجیت نے بھی ذرا اکھڑے ہوئے لہجہ میں کہا۔

"یہ آپ کہہ رہے ہیں، کہ زندگی میں داغ لگ چکا ہے؟"

مولا بولا

"اچھی قدر کی بھائی!"

سہیل نے پوچھا،

"کس کی قدر نہیں کی میں نے ؟"

دلجیت ذرا خفا ہو کر بولی

"عفت کی اور کس کی !"

سہیل نے ایک کمزور سا قہقہہ لگایا، اور کہا،

"خوب سمجھیں ——— میرا اشارہ عفت کی طرف نہیں، وہ تو اب بھی میرے نظر میں دیوی ہے"

دلجیت نے پوچھا۔

"پھر کس کی طرف اشارہ ہے، آپ کا؟ ذرا بتایئے تو؟"

وہ بولا،

"انور کی طرف، وہ میرا ننھا سا شہزادہ جسے دیکھ کر میرے اندر زندگی کی لہر پیدا ہو جاتی تھی"

اور یہ کہتے کہتے، میدان جنگ کا بہادر اور نڈر سپاہی، بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔

مولا نے اس کے آنسو پونچھے اور کہا،

"میرے بھائی، رونے سے کیا ہوگا؟ مانتا ہوں اس کی جدائی کے تمہاری زندگی میں گھن لگا دیا ہے، خدا پر بھروسہ کرو، وہ ضرور تمہیں نعم البدل عطا کرے گا"

دلجیت بولی،

"ہاں بھیا، رونے سے کچھ نہیں ہوتا، صبر کیجئے، اور خدا سے لو

لگائیے، خدا چاہے گا، سب ٹھیک ہو جائے گا!"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رحمت کے ساتھ اللہ دتا آئے، انہیں دیکھ کر مولا اٹھ کھڑا ہوا۔ اور دلجیت گردن جھکائے کمرے سے باہر نکل گئی، سہیل نے بھی تعظیم کے لئے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اللہ دتا نے اسے بٹھا دیا۔ اور کہا۔

"تکلف کی ضرورت نہیں، تم ابھی کمزور ہو بیٹھے رہو"

وہ بیٹھ گیا،

اللہ دتا نے کہا،

"یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ تم میری بچی عفت کے ———"

مولا نے مسکراتے ہوئے کہا،

"بابا، یہ یہاں آ کر بزدل ہو گئے ہیں!"

"بزدل؟ ——— کیا بکتا ہے بے وقوف؟"

"جی! بابا، یہ بزدل ہو گئے ہیں سہیل صاحب"

"یہ تو نے کیسے جانا؟"

"جانتا ہوں، اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ آپ کی بچی عفت کا کرشمہ ہے!"

سہیل مسکرانے لگا،

اللہ دتا نے کہا،

"تو کیا کہہ رہا ہے، میں نے ابھی نہیں سمجھا"

مولا نے کہا،

"یہ کہہ رہے تھے، ابھی آپ کے آنے سے ذرا دیر پہلے ——————————"

"تو کہو نا، کیا کہہ رہے تھے؟"

مولا نے شریر آنکھوں سے سہیل کو دیکھا اور کہا،

"یہ کہہ رہے تھے پہلے میں موت کو آواز دے دے کر بلایا کرتا تھا اب ڈرتا ہوں کہیں وہ میری پکار نہ سُن لے!"

اللہ دتا کو ہنسی آگئی، انھوں نے بیٹے سے کہا،

"چپ شریر!"

مولا خاموش ہوگیا،

اللہ دتا، سہیل سے محاذِ کشمیر کے واقعات و حالات کُرید کُرید کر دریافت کرنے لگے۔

وہ اس ذوق شوق سے سہیل کی باتیں سن رہے تھے۔ کہ اندیشہ ہوتا تھا، مجلس کے برخاست ہونے کے بعد کہیں کشمیر کے مورچہ پر روانہ ہونے کا اعلان نہ کر دیں،

اور آخر وہ پوچھ ہی بیٹھے،

"کیوں بیٹا! ایک بات تو بتاؤ!"

بڑے ادب سے سہیل نے کہا

"فرمایئے!"

اللہ دتا نے پوچھا،

"کشمیر کے محاذ پر جانے کے لئے جوان اور بوڑھے کی قید تو نہیں ہے!"

سہیل نے کہا۔

"ہے —————— لیکن یہ آپ نے کیوں پوچھا!"

ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولے،

"کیا کروگے پوچھ کر —————— بیٹا بوڑھوں کے سینہ میں بھی دل ہوتا ہے، وہ بھی اپنی قوم پر جان قربان کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں، کیا یہ ظلم نہیں ہے کہ ان کے جذبہ کو کچلا جائے،"

رحمت نے پوچھا،

"بابا تمہارا ارادہ کیا ہے؟"

جوش میں آکر بولے،

"میرا ارادہ یہ ہے کہ اگر بن آئے تو وہ کام کروں جو تجھ سے نہ بن آئے —————— میں چاہتا ہوں، کشمیر کے مورچہ پر مروں، میں گھر میں مرنا نہیں چاہتا"

مولا نے کہا،

"ٹھیک ہے بابا، لیکن اگر تم جہاد کے لئے گھر سے نکل گئے تو گھر میں کون رہے گا؟ یہاں بھی تو کسی کو رہنا چاہیئے"

رحمت نے کہا،

"اور گھر میں ہمیشہ بڑے بوڑھوں کو رہنا چاہئے"

اللہ دتا نے اس جوش و خروش کے ساتھ کہا۔

"لیکن جوان جب اپنے فرض کے ادا کرنے سے غافل ہوں؟"

مولا نے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے بابا!"

وہ بولے،

"کیا مطلب کیا کہنا چاہتا ہے تو؟"

مولا نے کہا۔

"وہ اپنے فرض کا احساس رکھتے ہیں، اور اسے انجام دیں گے!"

"یعنی؟"

مولا نے بڑے عزم اور استقلال کے ساتھ کہا،

"رحمت کے ساتھ کشمیر کے مورچہ پر اس دفعہ میں بھی جاؤں گا!"

بوڑھے کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا، اس نے کہا،

"واقعی؟ تو سچ کہتا ہے؟"

"ہاں بابا!"

بڑے شفقت بھرے لہجہ میں، پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا،

"شاباش، مجھے تجھ سے یہی امید تھی!"

رحمت بولا۔

"لیکن بابا، یہ مولا بڑا شریر ہے"

کہنے لگے،

"یہ تو نے کیسے جانا؟"

رحمت نے کہا،

"یہ جھوٹ بولتا ہے؟"

اللہ دتا نے کہا،

"مولا میں کوئی اور عیب ہو سکتا ہے، لیکن وہ جھوٹ نہیں بولتا میں اس کی گواہی دیتا ہوں!"

رحمت نے کہا۔

"ثبوت دوں؟"

سہیل کو ان باتوں سے کوفت ہو رہی تھی، اس نے سوچا یہ عجیب اور بے تکا جھگڑا۔ کتنا بے موقعہ اٹھ کھڑا ہوا، وہ رحمت کو آنکھ کے اشارے سے خاموش رہنے کی تاکید کر رہا تھا۔ لیکن رحمت بھلا کس کی سنتا تھا۔

اللہ دتا نے کہا،

"اگر تیرے پاس ثبوت ہے تو لا!"

رحمت نے بڑی سنجیدگی اور متانت سے کہا۔

"مولا میرے ساتھ کشمیر کے محاذ پر جانے کو کہہ رہا ہے نا؟"

بولے،

"ہاں کہہ رہا ہے"

رحمت نے کہا۔

"لیکن میں خود کب جا رہا ہوں، جو یہ میرے ساتھ ساتھ جائے گا"

سب سے پہلے، اللہ دتا نے ایک ٹانٹھا قہقہہ لگایا۔

پھر اہیل اور مولا نے!

مولا نے کہا،

"بابا، اگر اب یہ جانا چاہے تو بھی نہ جانے دینا۔ میں اکیلا جاؤں گا۔ اور انشاء اللہ تمہارا نام روشن کر کے واپس آؤں گا!"

اللہ دتا اٹھ کھڑے ہوئے!

جاتے جاتے انھوں نے ہولے سے ایک دھپ رحمت کے لگائی اور کہا،

"بول اب کیا کہتا ہے؟"

رحمت نے جواب دیا،

"اب یہ کہتا ہوں کہ جاؤں گا، اور ضرور جاؤں گا!"

وہ جاتے جاتے ٹھٹکے، انھوں نے رحمت سے پوچھا۔

"اب کیوں جائے گا؟"

وہ بولا

"تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے۔ بابا کا نام کون روشن کرتا ہے

رحمت یا مولا؟"

اللہ دتا پھر ہنسنے لگے،

انھوں نے کہا،

"اچھا بھئی تم دونوں سمجھ لو، ہم تو چلے!"

اور وہ مستری علم دین کے ہاں حقہ پینے چلے گئے!

(۲۰)

اور بیچاری عفت

عفت اپنے کمرے میں گم سم بیٹھی تھی ——— !
وہ خوش بھی تھی اور ملول تھی ——— !
سہیل مل گیا ——— ! اس سے بڑھ کر خوشی کی
کیا بات ہو سکتی تھی ؟
لیکن ؟
جب وہ میری کہانی سنے گا، جب اسے میری بے آبروئی

کے حالات معلوم ہوں گے ؟ جب وہ جان لے گا، میں اپنی سب سے بڑی پونجی گنوا بیٹھی ہوں ؟

پھر ؟
پھر کیا ہوگا ؟
کیا جب بھی وہ مجھے سینے سے لگائے گا ؟ کیا جب بھی وہ میرے آنسو دیکھ کر بیتاب ہو جائے گا ؟
کیا وہ مجھ سے نفرت نہ کرنے لگے گا ؟
میں اس کے دل کے دروازے پر پھر دستک دے سکوں گی
وہ مجھے پھر اپنا بنائے گا ؟
یہ سوالات بڑی تیزی سے اس کے دماغ میں آ رہے تھے، اور ہر مرتبہ دل کہتا تھا،
نہیں !
سہیل تیرا نہیں ہو سکتا !
وہ دل سے پوچھتی۔
کیوں نہیں بن سکتا ؟
دل جواب دیتا۔
تو اس کے قابل نہیں رہی !
تو اس کے درد کا درماں نہیں رہی خود درد بن گئی ہے،
تو اس کے زخم کا مرہم نہیں رہی، خود زخم بن گئی ہے،

rekhta

تجھ سے اب وہ تسکین نہیں پا سکتا، تو کسی طرح بھی اس کے
ٹوٹے ہوئے دل کو نہیں جوڑ سکتی!

ہرگز نہیں جوڑ سکتی!

اور وہ پگلی بے قرار ہو کر، دل سے پوچھتی،

کیا ایسا ہو سکتا ہے؟

اور دل جواب دیتا،

ہاں! ہو سکتا ہے! ہوتا ہے!

وہ جھنجھلا کر دل سے لڑ پڑتی،

ہوتا ہوگا، ہو سکتا ہوگا، لیکن سہیل مجھ سے آنکھیں پھیر لے یہ قیامت
تک نہیں ہو سکتا، وہ مجھے ہمیشہ سے چاہتا ہے۔ اس کی محبت کبھی نہیں
مر سکتی،

دل، عفت پگلی کی اس منطق پر زور کا قہقہہ لگاتا، اور کہتا،

لوگ تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور تجھے تجربہ بھی کچھ نہیں
ہو سکتا؟

وہ سوچنے لگتی،

اور دل کہتا،

بھول گئی، دلجیت کے ساتھ اس کے سگے بھائی دلیپ نے
کیا کیا؟

وہ دل ہی دل میں کہتی،

جانتی ہوں، معلوم ہے!

اور دل پھر چٹکی لیتا!

آبرو چھنوا بیٹھنے کے بعد، جب بھائی بہن سے منہ موڑ لیتا ہے، تو
شوہر کیسے کلیجہ سے لگائے گا؟

وہ اپنے ڈگمگاتے اور ڈوبتے ہوئے دل کو سہارا دیتی۔

بھائی عاشق نہیں ہوتا!

اور دل پھر اس کے کان میں کہتا،

ارے پگلی، لیکن عاشق کا عشق، عورت کی آبرو ہی سے تو ہوتا ہے؟

وہ بلبلا کر پوچھتی،

ایں؟

اور وہ کہتا۔

ہاں!——— بے آبرو عورت سے بھی کسی نے
عشق کیا ہے؟

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل گیا؟

اور یہ رنڈیاں؟ یہ طوائفیں؟ یہ سوسائٹی گرلز؟ یہ ایکٹرسیں؟
یہ کونسی آبرو دار ہوتی ہیں؟ پھر لوگ انہیں کیوں چاہتے ہیں؟ کیوں ان
پر جان چھڑکتے ہیں؟

وہ سمجھتی تھی اس منطق سے دل لاجواب ہو جائے گا۔ لیکن وہ بھی
بڑا ذہین تھا، اس نے کہا،

بی بنو، اس جہان میں نہ رہنا ——————— ہاں لوگ آبرو باختہ عورتوں کو چاہتے ہیں؟ لیکن انکی چاہت اس لئے ہوتی ہے کہ انھیں اپنا بنا کر باآبرو بنا دیں؟ اور جوان کی بن کر، پھر بے آبرو بنتی ہیں، انکی ناک کٹتی ہے؟ تیزاب پھینکا جاتا ہے ان کے منہ پر، ان کی گردن کاٹ لی جاتی ہے!

وہ رونے لگی،

ہائے میرے اللہ اب کیا ہوگا، کیا سہیل مجھے ٹھکرا دے گا؟

اندر سے آواز آئی،

ہاں! ٹھکرا دے گا،

روتے روتے پھر اس نے سوچا،

کیا اتنے دنوں کا رشتہ، مکڑی کے جالے کی طرح ٹوٹ جائے گا، وہ اندھیری راتوں کے قول و قرار، وہ چاندنی راتوں کی قسمیں اور حکایتیں، وہ محبت کے دعوے، وہ چاہ کے نعرے وہ اشکوں کی روانی، وہ تبسم کی کہانی، یہ سب ایک خواب تھا؟ خیال تھا؟

اندر سے پھر آواز آئی،

ہاں، خواب، خیال، وہ باتیں بھول جا، وہ تذکرے فراموش کر دے!

عفت نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چاند سا مکھڑا ڈھانپ لیا اور سسکیاں لے لے کر رونے لگی،

وہ رو رہی تھی کہ دلجیت آگئی، اور عفت کو اس زور و شور سے روتے دیکھ کر تڑپ ہی تو گئی۔

وہ آتے ہی عفت سے لپٹ گئی، عفت نے اپنا سر اسکے سینہ پر رکھکر اور زیادہ تیزی سے رونا شروع کر دیا۔

دلجیت نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"کیا ہوا میری جان!"

اور عفت کوئی جواب نہ دے سکی، سوائے اس کے کہ آنسوؤں کی بارش اور تیز ہوگئی!

دلجیت نے کہا،

"کچھ کہو تو کیا بات ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟ ہم سے بھی چھپاؤ گی کیوں؟"

دلجیت کے چہرے پر عفت نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں گاڑ دیں اس کے لب سئے ہوئے تھے، وہ زبان سے کچھ نہ بولی،

عفت سے دلجیت نے کہا،

"ہم تو آئے تھے کہ تم مٹھائی کھلاؤ گی، اپنی خوشی میں ہمیں شریک کرو گی، لیکن تم تو رو رہی ہو بیگی؟"

عفت نے روتے روتے کہا،

"تمہاری طرح ہر عورت خوش قسمت نہیں ہوتی دلجیت"

اور دلجیت نے بڑے پیار سے اس کا سر اپنے سینے

لگا کر کہا۔

"تو تو ہے! ——— بلکہ مجھ سے بھی زیادہ"

وہ بولی

"نہیں! ——— یہ غلط فہمی ہے تمہاری"

دلجیت نے کہا،

"بدفالی کی باتیں نہ کر بادلی، تیرا ساجن تجھے مل گیا، اور کیا چاہیئے"

عفت نے کہا،

"ہاں مل گیا، لیکن ہمیشہ کے لئے نہیں، صرف چند لمحوں کے لئے!"

دلجیت بیقرار ہو گئی،

"یہ کیوں؟ یہ خیال کیسے آیا؟"

عفت نے کہا،

"وہ میرے نہیں بن سکتے، وہ مجھے نہیں اپنا سکتے ———"

"لیکن کیوں پگلی؟"

"میں ان کے قابل نہیں رہی، میں انھیں کیا منہ دکھاؤں گی؟"

دلجیت نے اس کا منہ اپنے منہ کے سامنے لا کر کہا،

"یہ ——— یہ چاند سا مکھڑا، جسے دیکھ کر بڑے بڑے، سرکش اپنی چوکڑی بھول جائیں!"

عفت نے بڑے جذبہ کے عالم میں کہا،

"لیکن اس میں کالک لگ چکی ہے!"

دلجیت نے اپنے دوپٹہ سے اس کے گال پونچھ دیئے، اور کہا

"میں نے وہ کالک مٹا دی"

اور پھر وہ ہنسنے لگی، لیکن عفت بدستور مغموم اور افسردہ تھی دلجیت نے کہا،

"زیادہ بنو نہیں، ہنستی ہو تو ہنسو، ورنہ پھر میں چٹکی لوں گی"

اور چٹکی لینے کے لئے، اس نے اپنے ہاتھ بڑھائے عفت پرے ہٹ گئی، اس نے کہا۔

"ہمیں نہ چھیڑو!"

دلجیت نے پوچھا،

"ارے ہے یہ کیوں؟"

"نہیں اچھی لگتیں یہ باتیں!"

"یہی تو پوچھتی ہوں کیوں؟"

عفت نے سنجیدہ بن کر کہا۔

"تم نہیں جانتیں دلجیت!"

"تو بتا دو نا، ترسا کیوں رہی ہو؟"

عفت بولی،

"تم مذاق کر رہی ہو مجھ دل جلی سے، کر لو، اختیار ہے تمہیں"

اور وہ پھر رونے لگی، اور اس دفعہ اس کے ساتھ دلجیت کی آنکھیں بھی بھر آئیں،

اس نے کہا،

"میری بہن، میرے بارے میں تیرا یہ خیال ہے؟ میں تجھے ایسا ظالم نہ سمجھتی تھی!"

عفت نے کہا،

"پھر تم میرے ساتھ میری محرومی پر رو رہی کیوں نہیں؟ مجھے ہنسانے کی کوشش کیوں کر رہی ہو؟"

دلجیت نے پوچھا،

"لیکن حضور ملکہ معظمہ کے رونے کا سبب؟ وجہ؟"

عفت نے کہا،

سہیل سے اگر میری آنکھیں نہ چار ہوتیں تو شائد یہ ساری زندگی میں اس کی یاد میں گزار دیتی"

"لیکن ——————؟"

"لیکن وہ میرے ہاتھ میں آ کر نکل جائے، مجھے اپنی جھلک دکھا کر چلا جائے، یہ میں کس دل سے گوارا کر لوں؟"

"لیکن وہ کہاں بھاگا جا رہا ہے؟"

بڑی مایوسی سے بولی،

"آج نہیں تو کل چلا جائے گا!"

دلجیت نے کہا،

"عفت تم بزدل بھی ہو گئی ہو؟"

"کیوں؟ ——————— بزدل ہی تو نہیں ہوں"

"تم نہیں چاہتیں کہ وہ جہاد کرے، قوم کے لئے، سرفروشی کے جوہر دکھائے"

"کیوں نہیں چاہتی؟ چاہتی ہوں"

"پھر اس کے جانے پر آنسوے کیوں بہا رہی ہو، تمہیں معلوم ہونا چاہئے، سہیل بھیا اکیلے نہیں جا رہے ہیں؟"

وہ چونکی،

"اور کون کون جا رہا ہے؟"

"سب!" ———————

"مولا بھیا بھی؟"

"ہاں! اور میں خوشی سے انہیں اجازت دے چکی ہوں"

عفت نے بڑی عقیدت کی نظر سے دلجیت کو دیکھا اور کہا۔

"تم کتنی اونچی ہو بہن!"

وہ مسکراتی ہوئی بولی،

"میری تعریف بعد میں کرنا پہلے یہ بتاؤ تم، سہیل بھیا کے راستے کا پتھر بننے کی کیوں کوشش کر رہی ہو؟"

عفت بیچارگی کے ساتھ بولی،

"یہ بات نہیں ہے بہن!"

"پھر کیا ہے؟ وہی تو سننا چاہتی ہوں"

"تمہاری جدائی عارضی ہو گی، اور میری مستقل ——
تم سے مولا کو محبت ہے، اور مجھ سے انہیں نفرت!"

عفت کی آنکھیں پھر ڈبڈبا آئیں،

دلجیت نے حیرت سے پوچھا۔

"نفرت؟ —— کچھ دماغ چل گیا ہے؟ سہیل کو تم سے نفرت؟"

"ہاں! دلجیت، وہ نفرت کرتے ہیں مجھ سے،"

"یہ کیا بک رہی ہے تو پگلی؟"

وہ ہچکیاں لیتی ہوئی بولی،

"کچھ غلط کہتی ہوں؟"

بالکل غلط! —— تو اتنے دنوں سے سہیل بھیا کی بیوی بنی ہوئی ہے، لیکن ابتک اپنے شوہر کو نہ پہچان سکی، ارری دیوانی وہ تجھے چاہتے نہیں، پوجتے ہیں"

عفت نے کہا،

"ہیں نہ کہو سچ کہو!"

دلجیت نے کہا،

"تیرے کہنے سے کہدوں؟ ابھی میں انہی کے پاس اٹھی چلی آ رہی ہوں، اتنی ساری مدت میں تیری باتیں ہوا کیں ہم لوگوں میں"

"یہی کہہ رہے ہوں گے، عفت بڑی اچھی تھی، لیکن اب وہ کسی قابل

نہ رہ گئی، اب وہ اس قابل نہیں کہ اس کا منہ دیکھا جائے، اس سے بات کی جائے ——"

دلجیت نے کہا،

"اور کہہ لے جو تیرا جی چاہے!"

عفت نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر دلجیت کو دیکھا اور کہا،

"غلط کہہ رہی ہوں کچھ؟"

وہ بولی،

"ان مدبھری انکھڑیوں کا جادو مجھ پر تو چلنے سے رہا، لہذا آپ کی خاطر سے میں آپکی ہاں میں ہاں ملانے سے رہی، میں تو سچ ہی کہونگی!"

"اب تک سچ ہی تو کہتی آئی ہو؟"

"ہاں، بالکل —— سچ کہتی ہوں، وہ اب بھی تجھ پر مرتے ہیں، جان دیتے ہیں تیرے نام پر!"

عفت کے چہرے کا رنگ بدل گیا، اس کی لویں تمتا گئیں، وہ شرما سی گئی اس نے کہا،

"پھر وہی جھوٹ؟"

دلجیت نے کہا،

"تجھے تو کچھ ہو گیا ہے، آج؟ —— میں جھوٹ کیوں بولوں گی بھلا!"

"یونہی میرا دل رکھنے کے لئے"

"یہ عادت حضور کی ہوگی، بندی کی نہیں!"

پھر دلجیت نے، وہ ساری کہانی سنا ڈالی جو سہیل سے سنی تھی، سہیل کا تاثر، اور عفت کے لئے بیقراری، سب کچھ!

عفت نے کہا،

"کچھ اپنا حال بھی بتایا انھوں نے!"

دلجیت مسکرا دی،

"اب آئیں رنگ پر ——— ہاں بتایا تو!"

"تو ہمیں بھی سنا دو!"

"نہیں سناتی، کچھ زبردستی ہے، کسی کی"

اور پھر دلجیت نے وہ ساری رام کہانی بھی سنا ڈالی، جو سہیل نے اپنی سرگزشت کے طور پر سنائی تھی،

عفت یہ کہانی، بڑی دلچسپی اور اطمینان سے سنتی رہی، کبھی اس کی آنکھیں ڈبڈبا آتیں، کبھی وہ سنجیدہ بن جاتی، کبھی اسکی آنکھوں سے شعلے برسنے لگتے، کبھی وہ دانتوں تلے ہونٹ دبا لیتی، اور مٹھیاں بھینچ لیتی،

ساری کہانی کہہ چکنے کے بعد دلجیت نے کہا،

"اب فرمائیے کیا ارادہ ہے؟"

"ارادہ کیسا؟"

"سہیل کی جان بخشی ہوگی؟"

وہ مسکرا دی!

پھر وہ بولی،

"پھر وہی چھیڑ خانی!"

دلجیت نے کہا،

"میری پیاری بہن، ہم تم، کتنا رو چکے، روتے روتے، آنسو خشک ہو گئے، اب کہاں تک روئیں؟

اور کیوں روئیں؟ اب تو ہنسنے کا زمانہ آیا ہے، اسے ہم رو رو کر کیوں ضائع کر دیں؟"

پھر اس نے عفت کی ٹھوڑی اوپر اٹھائی اور کہا،

"اب تو ہنستی ہے یا ———"

اور وہ زور زور سے عفت کو گدگدانے لگی، وہ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی، ہنسنے لگی، اس نے کہا،

کیا کر رہی ہو دلجیت! اگر کوئی آگیا، جو کسی نے دیکھ لیا؟"

دلجیت نے کہا،

"تو میں کونسا مرد ہوں کہ تم بدنام ہو جاؤ گی، اور منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گی"

عفت نے ہنستے ہنستے کہا،

"اچھا اب تو چھوڑو، بہت ہنس لئے!"

دونوں پھر پاس پاس، لیکن الگ الگ بیٹھ گئیں۔

عفت نے کہا۔

"جانے کیوں میرا دل دھڑک رہا ہے، طرح طرح کے خیال آ رہے ہیں!"

دلجیت بولی،

"ہونا بھی چاہئے، آخر محبت کرتی ہو نا اپنے ان سے"

عفت نے کہا

"میں سوچتی ہوں، اگر انھوں نے میرے ساتھ وہی سلوک کیا جو دلیپ نے تمہارے ساتھ کیا تھا تو میں کیا کروں گی؟ کہاں جاؤں گی؟ کون مجھے سہارا دے گا؟"

دلجیت نے ڈانٹا،

"پھر وہی بے ہودہ باتیں؟ ——— کیوں ہونے لگا ایسا؟ اور اگر بہ فرض محال ایسا ہوا تو کیا ہم سب مر گئے ہیں؟"

"کیا کر لو گی تم؟"

"دیکھ لینا، اگر سر نہ پھڑوا دیا، تو میرا نام دلجیت نہیں"

وہ پریشان ہو کر بولی،

"کس کا سر تڑوا ؤ گی؟"

دلجیت نے جواب دیا،

"تمہارے سہیل کا، اور کس کا"

اور ہنسنے لگی،

عفت کا دل ڈولنے لگا، اس نے کہا،

"ایسا نہ کہو! میں یہ نہیں چاہتی،

دلجیت بولی،

"یہ بھی نہ کرو، وہ بھی نہ کہو، آخر پھر کروں کیا؟"

"وہ مجھے چاہے جیسا سمجھیں، میں تو ان کی برائی نہیں چاہ سکتی"

دلجیت نے روٹھ کر کہا۔

"بڑی پتی ورتا! ——— سرکار کو معلوم ہونا چاہئے۔ وہ حضرت بھی کچھ کم زن مرید نہیں ہیں"

زن مرید کے لفظ پر عفت ہنس پڑی

"یہ تم نے کیسے جانا؟"

"جان لیا ——— آدمی پہچانا جاتا ہے، قیافہ دیکھ کر!"

دونوں ہنسنے لگیں!

کچھ دیر خاموشی سی رہی!

پھر عفت نے کہا،

"دلجیت؟"

وہ بولی،

"ہاں کہو!"

کہنے لگی،

"پھر میرا دل کیوں ہولتا ہے؟"

کتنی بے بسی تھی عفت کے اس سوال میں!

دلجیت اس بے بسی سے متاثر تو ہوئی، لیکن اس نے اپنا تاثر ظاہر نہیں ہونے دیا، کہنے لگی،

"تو میں بتاؤں ایک ترکیب؟"

"تمہیں مذاق کے سوا آتا کیا ہے؟"

"نہیں سچ، بڑی اچھی ترکیب ہے، بول بتاؤں؟"

"بتاؤ! منع کون کرتا ہے؟"

دلجیت نے سنجیدگی اپنے اوپر طاری کرکے کہا،

"تھوڑے دنوں کے لئے تبادلۂ آب وہوا کر آؤ جاکر!"

"کہاں جاؤں؟"

"لاہور ـــــــ وہاں کا پاگل خانہ پاکستان بھر میں سب سے اعلیٰ درجہ کا ہے!"

عفت روہانسی ہوکر بولی،

"وہ تو میں نے پہلے کہہ دیا تھا، تم مذاق کرو گی!"

دلجیت نے اسے گلے سے لگالیا۔

"وہم کی دوا تو لقمان کے پاس بھی نہیں ـــــــ میں تجھے بتا رہی ہوں کہ وہ حضرت بُری طرح رِیجھے ہوئے ہیں تجھ پر تیرا نام سن کر ان کا دل زور زور سے ہلنے لگتا ہے، مگر آپ ہیں کہ وہموں نے گھیر رکھا ہے آپ کو ـــــــ اب تم ہی بتاؤ، اس پاگل پن کا علاج، پاگل خانہ کے سوا اور کہاں ہو سکتا ہے؟"

عفت نے کوئی جواب نہ دیا، دلجیت پھر بولی،

"آج رات کو تمہارے بالم کے پاس ہم میں سے کوئی نہیں جائیگا، تمہیں ساری رات تیمارداری کرنا ہوگی ـــــــ پھر خود ہی معلوم ہو جائیگا، سچ کہہ رہی ہوں یا تمہیں بیوقوف بنا رہی ہوں؟"

عفت سہم گئی،

"نہیں ابھی نہیں!"

"ارے ارے کیا مطلب؟"

"ابھی میں ان سے نہیں ملنا چاہتی، نہیں ملوں گی!"

"یہ کیوں؟ دیوانی صاحبہ؟"

"ذرا انھیں سوچ لینے دو، رائے قائم کر لینے دو، کسی فیصلہ اور نتیجہ پر پہونچ لینے دو، جب تک وہ خود مجھے نہ بلائیں، میں نہیں جاؤں گی ان کے پاس!"

دلجیت کچھ دیر سوچتی رہی، پھر بولی،

"اس میں کیا مصلحت ہے؟ اگر وہ خفا ہو گئے؟ کہ تو بیماری میں بھی ان کے پاس نہیں پھٹکی؟"

"میں انکی خفگی سہہ لوں گی،"

یہ کہتے کہتے ایک عجیب قسم کی کیفیت عفت کے چہرے پر طاری ہوئی اس نے کہا،

"میں ان کی خفگی سہہ لوں گی، لیکن نفرت نہیں سہہ سکتی، پاس نہ جانے

سے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ خفا ہو جائیں گے۔ لیکن اگر پاس گئی اور انکی آنکھوں میں محبت کے بجائے نفرت جھلکتی ہوئی دیکھی، تو میرا دل پھٹ جائے گا، میرا دماغ پھٹ جائے گا، میں واقعی پاگل ہو جاؤنگی۔ ـــــ میری بہن مجھے وہاں جانے پر مجبور نہ کر!"

دلجیت نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور کہا،

"اچھا مجھے وہاں جانے کے لئے نہیں کہوں گی، لیکن ایک بات تو بتا؟"

"پوچھو!"

"میں پوچھتی ہوں، کل رات جب تو نے انکی تیمارداری کی انھوں نے تجھے دیکھا، اور تو نے ان کو، تب تو نے ان کی آنکھوں میں نفرت دیکھی تھی، یا محبت؟"

وہ بولی

"محبت! ـــــ محبت ہی محبت"

دلجیت نے پوچھا،

"پھر اب تجھے نفرت کا اندیشہ کیوں ہے!"

عفت بولی،

"پہلے وہ میرے حالات سے واقف نہیں تھے، وہ نہیں جانتے تھے، میں کتنے نابدانوں اور نالیوں میں رہ چکی ہوں، کس کس طرح نوچی گئی ہوں، کس کس طرح لوٹی گئی ہوں، کس کس طرح میری آبرو پر ڈاکے ڈالے گئے ہیں ـــــ اور اب وہ سب کچھ جان چکے ہیں؟ تم ہی

نے تو بتا یا ہے انھیں سب کچھ؟"

دلجیت نے کہا۔

"ہاں، میں نے سب کچھ کہہ دیا ان سے!"

عفت نے کہا،

"بہت اچھا کیا ـــــ میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ تاریکی میں رہیں، خود میری رائے تھی کہ انھیں سب کچھ بتا دینا چاہئے، لیکن میری زبان ان کے سامنے نہ چل سکی، الفاظ میرے ہونٹوں تک آ آ کر واپس چلے گئے، تم نے میرا کام کر دیا۔ اور مجھے اس کی خوشی ہے، کہ اب میرے بارے میں وہ سب کچھ جان گئے، اب میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ یہ سب کچھ جان لینے کے بعد، ان پر کیا اثر پڑا؟ انھوں نے کیا سوچا؟"

دلجیت نے کہا،

"اچھی بات ہے، پرکھ لے، جتنا تیرا جی چاہے، وہ ٹھہرے تیرے عاشق، اور تو ٹھہری ان کی محبوبہ!"

عفت نے کہا،

"نہیں، اب معاملہ الٹ چکا ہے، اب میں ان کی عاشق ہوں اور وہ میرے محبوب ہیں، اب دیکھنا یہ ہے، کہ وہ مجھے دھتکارتے ہیں یا پاس بلاتے ہیں ـــــ اور"

"ہاں اور کیا؟ کہہ ڈالو جو کچھ جی میں ہے"

"بس اس پر میری زندگی کا فیصلہ ہے، یا ادھر یا ادھر، یا تخت یا

تختہ، یا زندگی یا موت!"

دلجیت نے کہا،

"یا تو تجھے بولنا نہیں آتا تھا، چپ لگی تھی تو ایسی کہ میں بھی گونگی ہوگئی میری بہن، یا اب جو بولنے پر آئیں تو بے تحاشہ بولے چلی جا رہی ہیں!"

عفت ابھی کوئی جواب نہ دے پائی تھی کہ مولا آیا، اس نے دلجیت سے کہا،

"اٹھاؤ، اپنا بوریہ بستر یہاں سے!"

وہ حیران ہو کر بولی،

"یہ کیوں؟"

مولا نے کہا،

"ارے اٹھو جلدی!"

عفت بولی،

"بھیّا، جب تک تمہارا ان سے نکاح نہ ہو جائے، یہ میری ہیں، تمہاری نہیں بن سکتیں، یہ یہیں رہیں گی!"

مولا نے کہا،

"بابا نے فیصلہ کر دیا ہے، نکاح کل ہو جائے گا۔ اور پندرہ دن بعد، سہیل کے ساتھ میں مورچہ پر چلا جاؤں گا، ——— لیکن دلجیت تم تو اٹھو"

وہ شرما کر بولی،

"میں نہیں اٹھتی!"

مولا نے کہا

"اوہو، وہ آ جائیں گے، جب تو جاگو گی اور کی کر کے یہاں سے؟"

دلجیت نے حیران ہو کر پوچھا،

"کون آ جائیں گے؟"

مولا نے کہا،

"اب پہنچا ہی چاہتے ہیں ——— ارے تم اب بھی نہیں سمجھیں؟ ——— سہیل، اور کون؟"

دلجیت اٹھ کھڑی ہوئی،

"وہ آ رہے ہیں؟"

"ہاں! ——— یہیں رہیں گے، اب دیکھتے تجھے عفت کے بغیر جی نہیں لگتا، دس پندرہ دن باقی ہیں کشمیر جانے میں یہ دن اسی کے چرنوں میں گزاروں گا؟"

دلجیت مسکرا دی،

"سچ؟"

مولا نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ سہیل آ گیا۔ اسے دیکھ کر عفت سٹ پٹا گئی، دلجیت نے کہا،

"آ گئے بھیا؟"

"میں نہیں اٹھتی!"

مولا نے کہا

"اوٹھ، وہ آجائیں گے، جب تو بھاگو گی اوئی کر کے یہاں سے؟"

دلجیت نے حیران ہو کر پوچھا،

"کون آجائیں گے؟"

مولا نے کہا،

"اب پہونچا ہی چاہتے ہیں ——— ارے

تم اب بھی نہیں سمجھیں؟

——— سہیل، اور کون؟"

دلجیت اٹھ کھڑی ہوئی،

"وہ آرہے ہیں؟"

"ہاں! ——— یہیں رہیں گے، اب وہ ——— کہتے تھے عفت کے بغیر جی نہیں لگتا، دس پندرہ دن باقی ہیں کشمیر جانے میں یہ دن اسی کے چرنوں میں گزاروں گا؟"

دلجیت مسکرا دی،

"سچ؟"

مولا نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ سہیل آگیا۔ اسے دیکھ کر عفت سٹ پٹا گئی، دلجیت نے کہا،

"آگئے بھیا؟"

سہیل مسکرا کر بولا،

"ہاں!"

دلجیت نے کہا،

"عفت کے بغیر دل نہیں لگتا؟"

"نہیں! ——— گھبراتا ہے"

مولا نے دلجیت سے کہا،

"چلو چلیں!"

چلتے چلتے دلجیت نے عفت سے کہا،

"مبارک، مبارک!"

اور عفت نے شرما کر سر جھکا لیا!